www.urducouncil.nic.in
فروری 2019 ، قیمت :- /10₹
ماہنامہ
بچوں کی دنیا
نئی دہلی
Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

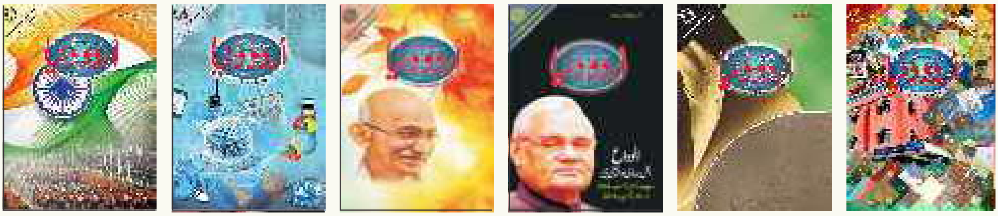

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے ،اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضامین	گفتگو میں برمحل اشعار کا استعمال	محمد رافع شاد اعظمی ندوی	07
	رنگوں کی کہانی	احرار حسین	09
	پال واکر	عاصم رضا مقصود اختر	11
نظمیں	اب تو آجا	مظفر حنفی	15
	نغمہ حب وطن	محبوب راہی	16
	بچوں کی دنیا	ایم اے کنول جعفری	17
کھیل اور کھلاڑی	ہاکی کا عالمی کپ	عبیر الہی	18
کہانی	موبائل	سراج فاروقی	21
نظمیں	اردو	سید سبحان انجم	24
	دوستی بچو! کتابوں سے کرو	سید بشیر احمد بشیر	25
	دیش کا فوجی	مومن محمد سلیم	25
کہانیاں	ہم تو چڑیا ہیں	ہارون رشید	26
	شہد کی مکھی اور تتلی	ابو بکر عرب	30
	نافرمانی کا انجام	شفیق الرحمن صدیقی	32
	سزا یافتہ	خرم عماد	34
	پاپا کی راہ پر	ثنا اسد	35
	پیاری امی	عظمت انیس	37
باتصویر کہانی	زرین	قاسم خورشید	41
قسط وار ناول	شہر میں جنگل	کمارن ست سیوم	45
کہکشاں	ڈاکٹر احمد حسن زویل	جنید عبدالقیوم شیخ	53
ننھے فنکار	معلومات	مصباح فاطمہ سوداگر	54
	ماں کی عظمت	محمد زید بن محمد ذاکر شیخ	55
	ٹیچر کا ادب	فردوس بی علاء الدین کھاٹک	55
	ہنسی کے غبارے		57
	وقت کی قیمت	آفرا محبوب سبحانی مکاندار	58
	شریر لڑکا	استوتی اگروال	59
	بچوں کی پینٹنگ		61

بچوں کی دنیا

جلد: 7 شمارہ: 02 فروری 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی- 110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبۂ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی- 110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد- 500002

فون: 24415194-040

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! ہم سب کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش بھی کرتے ہیں لیکن اکثر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اپنے آس پاس کے لوگوں اور اپنے دوستوں کا نقصان تو نہیں کر رہے ہیں۔ مقصد کو پانے کی کوشش اچھی بات ہے لیکن اس میں ہمیں دوسروں کی خوشی کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

مقصد کے لیے محنت بھی ضروری ہے اور اس کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک خوشی خوشی کرنا اور دوسرا دل پر پتھر رکھ کر۔ ہم سب کی زندگی میں بہت سارے مواقع ایسے آتے ہیں جب ہم دوسروں کی وجہ سے کام کے لیے مجبور ہوتے ہیں جبکہ ہمیں کام کی اہمیت کا خود اندازہ ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر اسکول کا کوئی کام ہے یا تعلیم سے متعلق کچھ کرنا ہے تو اسے آپ پہلی فرصت میں کریں۔ اس میں دیر یا کوتاہی آپ کے لیے بہتر نہیں۔ ہمارے والدین اکثر ہمیں دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے، کرکٹ کھیلنے اور تفریح سے روکتے ہیں۔ ہمیں ان کی باتوں کا برا نہیں ماننا چاہیے بلکہ قدر اور احترام کرنا چاہیے کیونکہ والدین اپنے بچوں کا کبھی برا نہیں سوچتے۔ ان کی ڈانٹ میں بھی محبت ہوتی ہے۔ کل جب آپ بڑے ہو جائیں گے اور کسی اچھے عہدے پر فائز ہوں گے تو آپ کو احساس ہوگا کہ اس ڈانٹ میں کتنی شفقت اور محبت ہوتی تھی اور وہ کس قدر ضروری تھی۔ اگر آپ اپنے کام وقت پر خوشی خوشی کرتے رہیں گے تو آپ کو تسلی بھی ہوگی اور دل پر کوئی بوجھ بھی نہیں رہے گا۔ اس لیے آپ سے یہی کہنا ہے کہ اپنے والدین کی ڈانٹ اور غصے کا برا نہ مانیں اور اپنے تمام کام خوشی خوشی انجام دیں۔

وقت پر کام کو انجام دینا بھی ایک آرٹ ہے۔ اولمپک مقابلوں میں سو میٹر یا دو سو میٹر کی دوڑ میں اوّل آنے والے کو سونے کا تمغہ دیا جاتا ہے جبکہ اس سے صرف ایک سکنڈ پیچھے رہنے والے کو چاندی اور کانسے کے تمغے پر ہی صبر کرنا پڑتا ہے اور ان سے پیچھے رہنے والے بھی محض ایک دو سکنڈ کے فرق سے دوڑ کے ہدف تک پہنچتے ہیں۔ اس مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وقت کی اہمیت کیا ہے۔ قدرت نے ہمیں ایک دن میں چوبیس گھنٹے دیے ہیں اب یہ ہمارے اوپر ہے کہ ہم ان گھنٹوں کا استعمال کس طرح کریں، اِنھیں چوبیس گھنٹوں کا استعمال کر کے کچھ لوگ کامیابی کی تاریخ لکھتے ہیں اور کچھ لوگ فضول کاموں میں وقت برباد کر کے ناکام و نامراد رہ جاتے ہیں۔

دوستو! اگر ہم اپنے کاموں کو وقت پر پورا کرلیں گے تو ہمارے پاس وقت کی کمی نہیں رہے گی اور ہم دوسرے بہت سارے کام بھی کر سکیں گے۔ امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹن نے کہا تھا کہ ایک مشہور و معروف آدمی کو ہمیشہ فرصت حاصل رہتی ہے۔ اسی طرح فورڈ کار کے مالک ہنری فورڈ کا مشہور قول ہے کہ اگر 24 گھنٹوں کی مناسب منصوبہ بندی کرلی جائے تو اتنے وقت میں دگنا کام کرتے ہوئے ہم دباؤ اور تناؤ سے خود کو بچا سکتے ہیں۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں ہر کامیاب انسان کی کامرانی کے پیچھے وقت کا صحیح استعمال ضرور ہوتا ہے۔

'بچوں کی دنیا' کے لیے ہمیں ڈھیر ساری تخلیقات موصول ہوتی رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام تخلیقات کو چھاپنے میں دیر ہونا فطری ہے۔ اس لیے تمام لکھنے والوں سے گذارش ہے کہ وہ اپنی تحریریں بھیجنے کے بعد کچھ مہینے ضرور انتظار کریں اور جب تک ادارے سے کوئی جواب موصول نہ ہو اپنی تخلیقات کسی اور رسالے میں نہ بھیجیں۔

'بچوں کی دنیا' کے اِس شمارے میں آپ کے لیے اچھی اچھی کہانیاں شائع کی جا رہی ہیں، ساتھ ہی کھیل اور کھلاڑی کالم کے تحت ہاکی کے عالمی کپ پر ایک خصوصی مضمون بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ آپ سب کو 'بچوں کی دنیا' کا یہ گلدستہ ضرور پسند آئے گا۔ آپ اپنے تاثرات ضرور بھیجیں۔ ہمیں آپ کے خطوط کا انتظار رہتا ہے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ پڑھا۔ ہر بار کی طرح یہ شمارہ بھی دلچسپ اور مزیدار ہے جسے ایک بار پڑھنا شروع کیا تو پڑھتی ہی چلی گئی۔ 'بچوں کی دنیا' کا یہی مقصد ہے کہ ہر گھر میں اردو ہو، بچہ بچہ اردو سے واقفیت رکھتا ہو اور اردو کو بہت دلچسپی سے پڑھے۔ آپ لوگوں کی محنت سے یہ مقصد پورا ہوتا جا رہا ہے۔ رنگین تصویروں اور کارٹونز کے ساتھ مضامین، کہانیاں، نظمیں، خطوط پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ مجھے نہیں لگتا جتنے کم عرصے میں 'بچوں کی دنیا' نے مقبولیت حاصل کی ہے کسی اور رسالے نے کی ہوگی۔ بچوں کی دنیا صرف نام سے ہی بچوں کی دنیا نہیں بلکہ ہم جیسے طالب علموں کے لیے ایک قیمتی اور انمول تحفہ ہے۔ ویسے تو میں 'امنگ' اور 'گل بوٹے' بھی پڑھتی ہوں تینوں پرچوں کا جواب ہی نہیں۔ 'بچوں کی دنیا' کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے بچوں کی Psychology کو اس طرح سمجھا کہ گھر گھر بچے اس رسالے کو پڑھتے ہیں۔ میں ہر مہینے اس کا بے صبری سے انتظار کرتی ہوں اور کبھی دستیاب نہیں ہوتا تو آن لائن پڑھ لیتی ہوں۔ اس

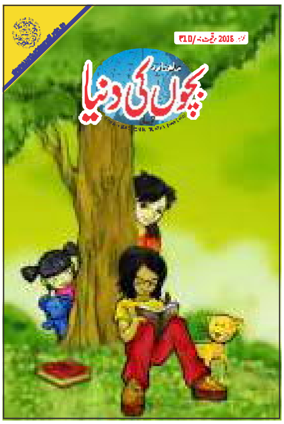

شمارے کے مضامین چاچا نہرو کی شخصیت سے اچھی طرح واقفیت کرا دیتے ہیں۔ ویسے تو سبھی لوگ ان سے واقف ہیں اور خاص طور سے تو بچے انھیں بہت پسند تھے۔ خواجہ احمد عباس کا مضمون 'چاچا نہرو گھوڑے سے گرے' سب سے اچھا مضمون لگا کیونکہ جب نہرو جی گھوڑے سے گرے تو انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور کونفیڈینس رکھا اور پھر سے گھوڑے پر سواری کی اور اس کے بعد کبھی نہیں گرے۔ یہ مضمون ہمیں ایک پیغام بھی دیتا ہے کہ ہمیں بار بار کوشش کرتے رہنا چاہیئے ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور ملے گی۔ اگر ہم مشہور سائنس داں تھومس الوا ایڈیسن (Thomas Alva Edition) کی مثال لیں جنھوں نے 999 بار بلب کو بنانے کی کوشش کی اور کرتے ہی رہے۔ انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ بلب ضرور بنائیں گے اور آخر میں 999 بار کوشش کرنے کے بعد وہ کامیاب ہوئے اور آج ان کی وجہ سے ہمارے گھروں میں روشنی ہے۔ نہیں تو شاید آج بھی ہم لالٹین یا شمع جلا رہے ہوتے۔ اسی طرح ہمیں بھی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ ایک

قول یاد آتا ہے جس میں لکھا تھا 'اگر آپ کوشش کرنے سے پہلے ہی ہار مان کر بیٹھ جائیں گے، تو آپ کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔

انصار احمد درویش کا ابوالکلام آزاد صاحب پر لکھا مضمون بہت اچھا لگا اور بہت متاثر بھی کرتا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے ایک مثال سے ایک سبق بھی دیا ہے کہ ہمیں ہمیشہ ایک بڑا مقصد رکھنا چاہیے اور اگر ہمارا ٹارگیٹ ہی چھوٹا ہوگا تو ہم اسے کبھی حاصل نہیں کر پائیں گے۔ رونق جمال کی کہانی 'گوپال کی دیوالی' بہت لاجواب ہے اور بہت سبق آموز بھی ہے کہ ہمیں ہمیشہ اچھے کام کرنے چاہئیں اور دوسروں کی مدد کرتے رہنا چاہیے۔ محمد خلیل کا مکڑی کے اوپر معلوماتی مضمون ہے۔ محمد داؤد کا 'گدڑی کے لال' بہت اچھی کہانی ہے۔ اس کہانی میں انھوں نے شکیل کے کیریکٹر کو اچھے ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ ذکیہ مشہدی کی 'روٹی کیوں پھولتی ہے' مزیدار کہانی ہے۔ تنویر پھول کی کہانی کا جواب ہی نہیں۔ یہ کہانی پڑھ کر ایسا لگا جیسے سچ میں سبھی کردار سامنے آ گئے ہوں۔ بچوں کی دنیا میں جو قسط وار سلسلہ چل رہا ہے 'شہر میں جنگل' بہت اچھا ہے۔ بدلہ محمد علیم اسمٰعیل کی کہانی بھی خوب ہے۔ شاعری میں رفیع انصاری کی 'سیلاب' اور فراق جلالپوری کی 'کتابیں' بہت پسند آئیں۔

استوتی اگروال، اگروال جیولرز، سرونج، مدھیہ پردیش

'بچوں کی دنیا' واقعی بہت ہی عمدہ، شاندار اور دیدہ زیب ہے۔ بچوں کے لیے اردو سکھانے کا ایک جدید ذریعہ ابلاغ ہے۔ جیسا نام ہے ویسا کام بھی ہے یعنی قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔ حقیقت میں یہ معیاری رسالہ اردو زبان کے فروغ کے لیے اچھا کام کر رہا ہے اور حق ادا کر رہا ہے۔ 'بچوں کے ذوق کے موافق دنیا بھر کی معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

مولانا عادل ندوی، الہ آبادی، پونہ

'بچوں کی دنیا' ہمیں بہت پسند ہے۔ ہمارے مدرسے کے بچے بھی اس جریدے کو پڑھتے ہیں اور بہت پسند کرتے ہیں۔ مدرسے کے طلبا بھی چند مضامین، نظمیں وغیرہ بھیج رہے ہیں۔ ان کو شائع کریں اور ہمارے طلبا کی ہمت افزائی کریں۔

خیر النساء مکاندار، سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

'بچوں کی دنیا' ماہ اگست کے شمارے میں میری ایک غزل (مسلسل) 'مرے پاپا' عنوان سے شائع ہوئی جس کے لیے میں آپ کا بہت شکر گزار و ممنون ہوں۔ میں نے پورا رسالہ پڑھا۔ آپ رسالہ بہت خوبصورت اور سبق آموز نکال رہے ہیں۔ اس کے لیے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

خورشید انور خورشید، 120/3، بیگم باغ کالونی، اجین، مدھیہ پردیش

'بچوں کی دنیا' نومبر 2018 اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ ماہ نومبر میں پیدا ہونے والی تمام شخصیات کا آپ نے احاطہ کیا ہے اور رنگین تصاویر سے اس کو مزین کیا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، پریہ درشنی اندرا گاندھی، ڈاکٹر سر محمد اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، رانی لکشمی بائی پر مختصر مضامین اچھے ہیں مگر ہر مضمون کو علیحدہ کر کے اس کے ساتھ تصویر شائع کریں تو طلبہ البم تیار کر سکتے ہیں کیونکہ آج کل تعلیم میں پروجیکٹ ورک کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس ماہ کے تہوار میں دیپاولی بھی شامل ہے۔ اس طرح ہر مذہبی مہینہ کا بھی مختصر تعارف کروائیں۔

ڈاکٹر م۔ ق۔ سلیم، صدر شعبۂ اردو شاداں کالج، حیدر آباد، تلنگانہ

محمد رافع شاد اعظمی ندوی

گفتگو میں برمحل اشعار کا استعمال

گفتگو کا سلیقہ وہ نعمت اور خدائی عطیہ ہے جو تمام مخلوقات میں صرف اشرف المخلوقات یعنی حضرتِ انسان کے حصے میں آیا ہے۔انسان کے علاوہ باقی تمام جاندار؛ چرند پرند زبان ہوتے ہوئے بھی بولنے سے قاصر ہیں۔صرف انسان وہ اشرف مخلوق ہے جو اپنے مافی الضمیر یعنی دل کی بات کو زبان کے واسطے بیان کرسکتی ہے لیکن کیا صرف گفتگو کرنا اور بولنا کافی ہے،اور کیا صرف زبان کو حرکت دے کر تکلم کرنے سے کام چلتا ہے؟ تو اس سوال کا جواب میں 'نہیں' میں دوں گا۔اس لیے کہ انسان کی تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سلیقے ،مہارت اور خوبی سے گفتگو کرنا جانتا ہو۔محض بولنا ؛یہ تو پہلی سیڑھی ہے جو انسان وجانور میں فرق کرنے کے لیے ہے۔

سلیقے کے ساتھ گفتگو کرنا، نپے تلے جملے استعمال کرنا، لفظ ومعنی کے مزاج کو سمجھ کر بولنا ،نہ زیادہ لمبی ،نہ نہایت مختصر گفتگو کرنا،موقع ومحل اور مخاطب کے معیار کو دھیان میں رکھ کر گفتگو کرنا؛ان باتوں کا خیال کرکے اپنی گفتگو کو بہتر اور اثر کرنے والی بنایا جاسکتا ہے لیکن میں آج آپ کو ایک اور راز بتانے جارہا ہوں جس پر عمل کرکے آپ اپنی گفتگو کو بہت خوبصورت بناسکتے ہیں۔

بچو! عمدہ اور برمحل شاعری گفتگو اور زبان وبیان کا وہ روپ ہے جو سیدھے کانوں سے ٹکرا کر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے اور جس مضمون کے لیے کئی جملے بلکہ کئی صفحات درکار ہوتے ہیں ؛وہ بہت خوبی کے ساتھ دو لائن میں ادا ہوجاتا ہے۔تو میں آپ سے یہی کہنا چاہ رہا ہوں کہ دورانِ گفتگو برمحل، برجستہ اور آسان اشعار کا استعمال کرکے آپ اپنی گفتگو کی طرف سننے والے کی توجہ کھینچ سکتے ہیں،اور اپنے کلام کو زیادہ اچھا اور دلنشین بناسکتے ہیں۔

آیئے! میں کچھ اشعار سناتا ہوں جو آپ خاص خاص موقعوں پر استعمال کرکے محفل پر چھاسکتے ہیں اور اپنی زبان دانی اور حسنِ کلام کا دلوں پر سکہ بٹھا سکتے ہیں۔اور اگر چند دن آپ نے اسی انداز پر محنت کرلی تو پھر تو زندگی بھر آپ کی گفتگو کا یہی اسٹائل ہوجائے گا اور لوگ باگ آپ کی گفتگو سننے کا انتظار کیا کریں گے۔

مثلاً اگر آپ کا کوئی ہم جماعت کتاب کے مطالعے میں مشغول رہتا ہے اور دیگر تفریحات سے دور ہی رہتا ہے تو آپ اس وقت یہ شعر پڑھیں:

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی ،جس نے سبق یاد کیا

لڑکے زیادہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہوں تو یہ شعر پڑھنا مناسب ہوگا:

کھیلو گے کودو گے ہوگے خراب
پڑھوگے لکھوگے بنوگے نواب

دسترخوان پر اگر کسی کو تکلف ہو رہا ہو تو یہ شعر برمحل ہوگا:

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام میں ہے وہ، جو تکلف نہیں کرتا

کسی عزیز کے استقبال کا موقع ہو تو یہ شعر کافی لطف پیدا کردے گا:

اے بادِ صبا! کچھ تو نے سنا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں، ہم آنکھیں بچھانے والے ہیں

عمل کی بات آئے تو یہ شعر بہت موزوں ہوگا:

عمل سے زندگی بنتی ہے ،جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں ،نہ نوری ہے، نہ ناری ہے

ادب اور سلیقہ مندی کی بات چل رہی ہو تو یہ شعر بہت بہتر رہے گا:

ادب سے ہی انسان انسان ہے
ادب جو نہ سیکھے، وہ حیوان ہے

تبدیلی حالات پر اظہارِ خیال ہو رہا ہو تو مولانا ظفر علی خاں کا یہ شعر اچھا تأثر قائم کرسکتا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال، آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اسی طرح درج ذیل اشعار کو بھی موقع ومحل کی رعایت کے ساتھ اپنی گفتگو میں شامل کیا جاسکتا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے ،ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی ، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے ،اُدھر نکلے ،اُدھر ڈوبے ،اِدھر نکلے

سدا عیشِ دوراں دکھاتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

طوفانوں سے آنکھ ملاؤ، سیلابوں پر وار کرو
ملّاحوں کا چکر چھوڑو ،تیر کے دریا پار کرو

جہاں رہے گا، وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

یقیں محکم عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

تو بچو! یہ چند اشعار تھے جو آپ اپنی گفتگو میں برمحل استعمال کرسکتے ہیں اور اپنے شعری ذوق کا ثبوت فراہم کرکے یاروں کے دلوں میں ایک خاص مقام پیدا کرسکتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کو بخوبی ادا کرسکتے ہیں، اس طرح کے اور بھی پسندیدہ اشعار آپ اپنی بیاض یا ڈائری میں جمع کرلیں اور ان کا محل استعمال سمجھ لیں اور پھر اپنی گفتگو میں ان کو استعمال کریں تھوڑی سی محنت کرکے آپ بہت جلد اساتذہ وطلبہ کے درمیان ایک مقام حاصل کرسکتے ہیں۔

■

Mohd Rafey Shad Azmi
Teacher Jamia Islamia, Muzaffarpur
Azamgarh - 223222 (UP)

احرار حسین

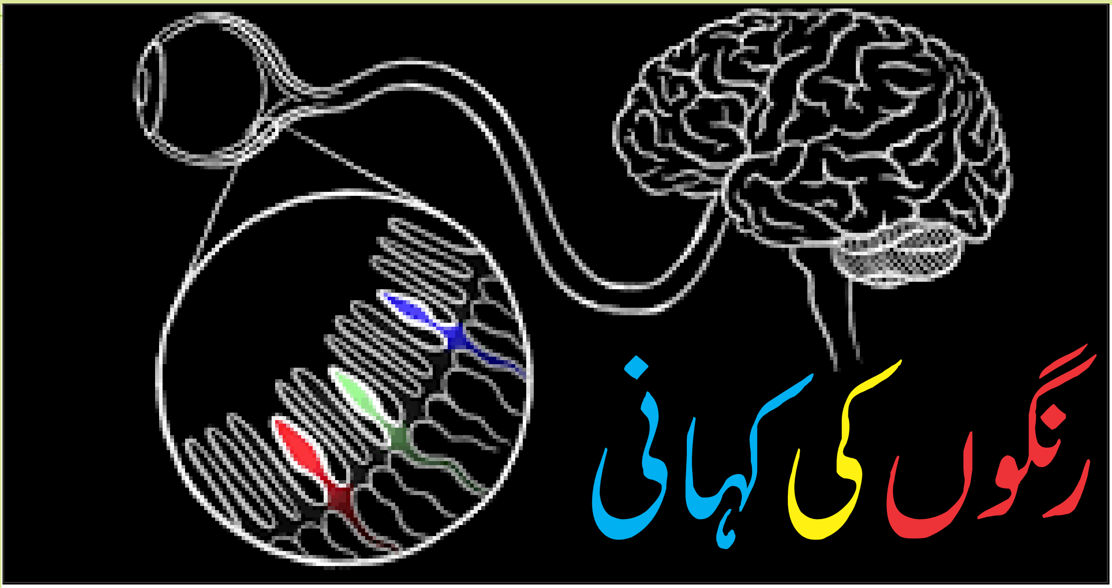

رنگوں کی کہانی

عہد قدیم سے آج تک انسانی ذہن نئے نئے کام کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ انسان کے ذہن میں نئی باتیں آتی رہی ہیں اور نئے نئے سوالات ابھرتے رہے ہیں۔ زیرِنظر مضمون میں ایسے ہی بعض سوالات سے بحث کی گئی ہے کہ چیزیں رنگین کیوں نظر آتی ہیں؟ رنگوں پر مصنوعی روشنی کا کیا اثر پڑتا ہے؟ ایک ہی رنگ کے مختلف شیڈس کیوں نظر آتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ چیزیں ہمیں کیسی نظر آتی ہیں۔ کون سی کرن ہمارے کوریز پر پڑتی ہے اور یہاں سے منعکس ہوکر آنکھوں میں داخل ہوتی ہیں اور لینس سے ہوکر پردے یا ریٹینہ پر پڑتی ہیں۔ یہاں الٹی تصویر بنتی ہے۔ اس تصویر کی خبر یا اطلاع آپٹکل فروض کے ذریعے دماغ تک پہنچتی ہے اور دماغ اپنے تجربوں کے بنیاد پر اس تصویر کو سیدھی شکل میں پیش کردیتا ہے۔ اس طرح ہم کسی چیز کو دیکھ پاتے ہیں۔

روشنی دو طرح کی ہوتی ہے۔ افشاں اور غیرافشاں۔ الیکٹرو میگنیٹک ، اسپیکٹرم یہ دونوں روشنیاں موجود ہوتی ہیں لیکن ہم صرف افشاں روشنی ہی کو دیکھ سکتے ہیں جس کا طولِ موج 3934A° سے 3563A° ہوتا ہے۔ مذکورہ لہر لمبائی سے کم یا زیادہ روشنیوں کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ ان کو دیکھنے کے لیے دوسرے آلات کی ضرورت پڑتی ہے۔ نیوٹن نے 1635 میں یہ دریافت کیا کہ سورج کی روشنی مختلف رنگوں کی روشنیوں سے مل کر بنی ہے۔ انھوں نے یہ دیکھا کہ جب آفتاب کی سفید روشنی کو مخروط یعنی پیرزم سے گزاریں تو اس کی دوسری جانب ایک رنگین پرت نظر آتی ہے۔ اس پرت میں بنفشئی ، نیلے، آسمانی، ہرے، پیلے، نارنگی اور لال رنگ دکھائی دیتے ہیں جنھیں اسپیکٹرم کا نام دیا جاتا ہے۔

انھوں نے اپنی اس دریافت کی مزید تصدیق کے لیے ایک اور تجربہ کیا۔ اس نے مخروط سے روشنی گزارنے کے بعد اسپیکٹرم سے ایک رنگ کی روشنی لے کر دوبارہ دوسرے مخروط سے گزارا اور یہ پایا کہ دوسرے مخروط سے گزارنے کے بعد بھی اسے وہی رنگ ملا جو اس نے مخروط سے گزارا تھا۔ اس تجربے

سے نیوٹن نے یہ نتیجہ نکالا کہ آفتاب کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہے۔ اگر ہم ان ساتوں رنگوں کو ایک تختی پر چپکا کر اسے بہت تیزی سے گھمائیں تو وہ سات رنگ غائب ہوجاتے ہیں اور ہمیں سفید رنگ نظر آتا ہے۔ بظاہر جو رنگ ہمیں نظر آتے ہیں ان کو لال، نیلے اور ہرے رنگوں کو مختلف تناسب میں ملا کر بنا سکتے ہیں۔ ان رنگوں کو ابتدائی رنگ کہتے ہیں لیکن ان ابتدائی رنگوں کی خصوصیت یہ ہے کہ لال اور پیلے رنگوں کو ملانے سے پریل، ہرا اور نیلا رنگ ملانے پر پیکاک بلیو رنگ ملتا ہے۔ انھیں رنگوں سے ہم ابتدائی رنگ حاصل کرسکتے ہیں۔ اس کے لیے ہم رنگین فلٹرس کا استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں بجلی کے بلبلوں کا استعمال ہوتا ہے اور جب کسی بلب کی روشنی کو مخروط سے گزاریں تو اس کے اسپیکٹرم میں لال رنگ کی تیزی دوسرے رنگوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر ہم بلب کوائل کا درجہ حرارت بڑھادیں تو دوسرے رنگوں کی تیزی بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میسٹی یعنی شورش سے ملنے والی روشنی میسٹی کے درجہ حرارت پر منحصر ہوتی ہے۔ کسی چیز کا بھی رنگ جو ہمیں نظر آتا ہے وہ دو باتوں پر منحصر ہوتا ہے۔

1۔ وہ شے کسی قسم کی روشنی میں دیکھی جارہی ہے۔

2۔ یہ شے ہمیں کن رنگوں کا انعکاس کرتی ہے اور کن رنگوں کو مناکس کرتی ہے اور کن رنگوں کو پنے اندر سے گزرنے دیتی ہے۔ کسی غیر شفاف چیز کا رنگ اس پر پڑنے والی روشنی پر منحصر ہوتا ہے۔ جس میں ہم سفید رنگ کے کاغذ کو اگر ہم آفتاب کی روشنی میں دیکھیں تو ہمیں یہ سفید نظر آتا ہے۔ لیکن اس سفید کاغذ کو اگر ہم نے ہرے رنگ کو ریفلیکٹ کیا تو اس لیے ہمیں ہرے رنگ کا نظر آیا۔ گلاب کے پھول کو اگر ہم آفتاب کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو یہ گلابی رنگ کا نظر آتا ہے کیونکہ یہ سفید روشنی میں سے چھ رنگوں کو جذب کرتا ہے اور ایک رنگ کو رفلیکٹ کرتا ہے لیکن اس گلاب کے پھول کو اگر ہم کسی دوسرے رنگ کی روشنی میں دیکھیں تو یہ کالا نظر آئے گا کیونکہ یہ کسی بھی دوسرے رنگ کو جذب کرلیتا ہے۔ ہم کالے رنگ کو اگر یہ کہیں کہ یہ تو کوئی رنگ ہی نہیں ہوتا تو شاید اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ ہم کالے رنگ کو رنگوں کی غیر حاضری بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو رنگ ہمیں نظر آرہا ہے۔ یہ وہ رنگ ہے جو ہمیں کسی شے سے رفلیکٹ ہوکر ہماری آنکھ تک پہنچ رہا ہے۔

ایک ہی رنگ کی چیزیں اگر ہم آفتاب کی روشنی میں دیکھیں تو وہ ایک سی نظر آئیں گی لیکن اگر ان چیزوں کو مصنوعی روشنی میں دیکھیں تو ان کا رنگ ہمیں مختلف نظر آئے گا۔ اس کی اصل وجہ میسٹی یعنی شورش ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں ایک ہی رنگ کے مختلف شیڈس نظر آتے ہیں۔ شفاف چیزوں کا رنگ اس بات پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کون سے رنگ اپنے اندر سے گزرنے دیتا ہے مثلاً لال شیشے کے ٹکڑے کو سفید روشنی میں دیکھیں تو ہمیں یہ احساس ہوگا کہ یہ لال رنگ کا شیشہ کالا نظر آتا ہے لیکن اس شیشے کا اگر ہم سفوف بنائیں تو یہ ہمیں سفید نظر آئے گا۔ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ لاتعداد ذرّوں سے روشنی کا انعکاس ہوتا ہے اور یہ روشنی ان ذرّوں کے اندر تک نہیں پہنچ پاتی ہے۔ اسی وجہ سے کاپر سلفیٹ کا سفوف ہمیں سفید نظر آتا ہے۔

■

ماخذ: سائنس شعاعیں، مصنف: ڈاکٹر احرار حسین، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

عاصم رضا مقصود اختر

مضمون

پال واکر

(تیز رفتاری سے دنیا کو حیران کر دینے والا موت کی رفتار کے سامنے ہار گیا)

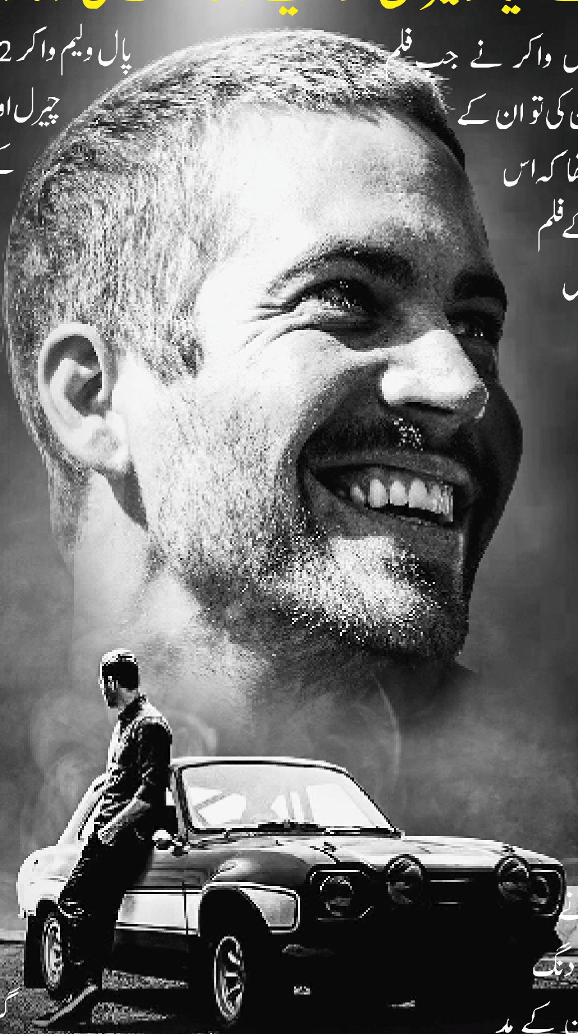

ہالی وڈ ہیرو پال واکر نے جب فلم فاسٹ اینڈ فیوریس سائن کی تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس فلم کی بدولت دنیا بھر کے فلم شائقین انھیں جاننے لگیں گے، گو اس سے قبل وہ بہت سی فلموں اور ٹی وی سیریلز میں کام کر چکے تھے اور شوبز کی دنیا والے ان کے ٹیلنٹ سے واقف ہو چکے تھے مگر پورے عالم میں ان کے نام کا ڈنکا اسی فلم نے بجایا۔

جب انھوں نے تیز رفتاری سے کار چلانے کے جوہر دکھائے تو سبھی دنگ رہ گئے۔ اس فلم میں ان کے مدمقابل مشہور ہالی وڈ ایکشن ہیرو، ون ڈیزل تھے یوں دو تیز رفتار ہیروز کا ساتھ ہوا تو فاسٹ اینڈ فیوریس جیسا شاہکار تیار ہوا جسے دنیا بھر کے فلم شائقین نے پسند کیا۔

پال ولیم واکر 12 ستمبر 1973 کو ایک فیشن ماڈل چیرل اور معروف باکسر پاول ولیم واکر تھری کے یہاں امریکی ریاست کیلی فورنیا کے شہر گلینڈیل میں پیدا ہوئے۔ واکر کے والد اپنے دور کے بڑے کامیاب باکسر تھے، وہ دو مرتبہ گولڈن گلوز چیمپیئن بنے۔ ہالی وڈ ہیرو واکر نسلی اعتبار سے آئرش، انگلش اور جرمن تھے کیونکہ ان کے والدین اور رشتہ داروں کا تعلق انہی علاقوں سے ہے۔ واکر کے آباواجداد میں ان کے والد کے علاوہ بھی ایک معروف باکسر آئرش بل واکر گزرے ہیں۔ اسی طرح ان کے ایک بزرگ 1960 کی دہائی میں فورڈ کاریں بنانے والی فیکٹری کے اہم عہدیداروں میں شامل تھے۔ واکر پانچ بہن بھائیوں میں سے سب سے بڑے تھے، وہ لاس اینجلس کی ایک آبادی سن لینڈ کمیونٹی میں پلے

بڑھے۔ انھوں نے سان فرنانڈو ویلی میں ویلیج کرسچین اسکول سے تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد انھوں نے جنوبی کیلی فورنیا کے متعدد کالجوں سے استفادہ کیا، ان کا پسندیدہ مضمون میرین بیالوجی تھا، اس لئے انھوں نے اسی مضمون میں تخصص کیا۔

واکر کی والدہ چونکہ فیشن ماڈل تھیں، اس لیے شوبز کی دنیا سے ان کا تعلق بچپن میں ہی قائم ہو گیا، دوسری طرف والد بھی چونکہ اسپورٹس کے حوالے سے کافی نامور تھے۔ اس لیے انھیں آگے بڑھنے میں آسانی رہی۔ انھوں نے سب سے پہلے ایک کمرشل میں کام کیا جو بچوں سے متعلق تھا، اس کے بعد انھیں ایسے دیگر مواقع بھی میسر آئے۔ اس کی وجہ ان کا اپنی والدہ کے ساتھ شوبز کی دنیا میں آنا جانا تھا۔ تاہم انھوں نے اپنی تعلیم کی طرف بھی بھرپور توجہ رکھی ۔ پہلی مرتبہ انھیں 1985 میں ٹی وی سیریل میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا اور انھوں نے ٹی وی کی مشہور سیریلز ہائی وے ٹو ہیون، ہو از دی باس، دی ینگ اینڈ ریسٹ لس اور ٹچڈ بائی این اینجل میں مختلف کردار ادا کیے۔ 1985 میں ہی انھیں ایک معروف کمپنی کے اشتہار شوبز پزا کے لیے بھی کام کرنے کا موقع ملا یعنی صرف بارہ سال کی عمر میں وہ چائلڈ اسٹار کے طور پر اپنی پہچان بنا چکے تھے۔

واکر کا فلمی کیریئر 1986 میں مزاحیہ ڈراونی فلم مونسٹر ان دی کلوسٹ سے شروع ہوا۔ اس میں انھوں نے بینٹ کا کردار ادا کیا۔ پھر واکر اور اس کی بہن ایشلے نے ایک ٹی وی گیم شو آئی ایم ٹیلنگ میں حصہ لیا جس میں انھوں نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ 1993 میں ایک ڈرامے دی ینگ اینڈ دی ریسٹ لس میں کام کیا، اسی ڈرامے میں کامیاب اداکاری کرنے پر واکر اور ان کی ساتھی اداکار ہیتھر ٹام کو یوتھ فلم ایوارڈ کے لیے آؤٹ اسٹینڈنگ لیڈ ایکٹر کی کیٹگری کے لئے نامزد کیا گیا۔

1998 میں واکر نے مزاحیہ فلم میٹ دی ڈیڈلس میں کام کیا جو بہت پسند کیا گیا اور ان کے لیے مزید فلموں میں کام کرنے کا راستہ کھل گیا اور انھوں نے 1998 میں ہی پلے زینٹ وائل میں کام کیا، 1999 میں وراسٹی بلیوز، 1999 میں شی از دی آل دیٹ اور 2000 میں دی اسکلز میں اداکاری کے جوہر دکھائے۔

2001 سے پال واکر کے لئے کامیابیوں کا نیا دور شروع ہوا جب انھیں فاسٹ اینڈ فیوریس میں کام کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد اس کا دوسرا حصہ ٹو فاسٹ ٹو فیوریس ریلیز ہوا، اس نے بھی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اسی دوران ان کی ایک فلم جائے رائڈ بھی ریلیز ہوئی۔ انھوں نے 2003 میں ٹائم لائن اور 2005 میں ان ٹو دی بلیوز میں لیڈنگ کردار ادا کیے۔ یہ فلمیں بھی کافی پسند کی گئیں۔

پھر 2006 میں فلیگز آف آور فادرز میں سپورٹنگ رول

ادا کیا۔ اس کے بعد واکر 2006 میں ریلیز ہونے والی کرائم تھرلر فلم رننگ اسکیئرڈ اور والٹ ڈزنی کی فلم ایٹ بلو میں جلوہ گر ہوئے۔ ایٹ بلو کافی پسند کی گئی اور اس نے پہلے ہفتے بیس ملین ڈالرز کا بزنس کیا۔ فلم ڈائریکٹر وین کا کہنا ہے کہ رننگ اسکیئرڈ کے پروڈکشن کے دوران اس نے دیکھا کہ واکر اپنے کردار کے لیے بھرپور کوشش کرتا تھا حتیٰ کہ جیسے اسے بتایا جاتا تھا وہ اس سے بھی بہتر کردار ادا کرنے کی کوشش کرتا تھا، وہ اپنے کام سے بہت محبت کرتا تھا۔

2008 میں ان کی ڈی وی ڈی فلم دی لیزارس پروجیکٹ ریلیز ہوئی۔ اس کے بعد وہ فاسٹ اینڈ فیوریس کے تیسرے حصے کے پروڈکشن میں مصروف ہوگئے جو 2009 میں ریلیز ہوئی۔ پھر جرم و سزا پر مبنی فلم ٹیکر ریلیز ہوئی جو کافی پسند کی گئی، اس کے بعد فاسٹ اینڈ فیوریس کے دو مزید حصے ریلیز ہوئے جنھوں نے مقبولیت کے ریکارڈ قائم کیے۔

واکر اب سانتا باربرا میں رہائش پذیر تھے۔ ان کی ایک گرل فرینڈ ریبیکا ہے جس سے ان کی ایک بیٹی ہے جو تیرہ سال تک اپنی ماں کے پاس ہوائی میں رہائش پذیر رہی، پھر 2011 میں کیلی فورنیا میں اپنے والد واکر کے پاس چلی آئی۔ واکر کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کی بیٹی فلموں کی شوٹنگز کے دوران اس کے ساتھ رہے۔

فلموں کے ساتھ ساتھ واکر کا اصل شوق میرین بیالوجی تھا۔ اسی لیے وہ 2006 میں دی بل فش فاونڈیشن کا حصہ بن گئے۔ اسی طرح انھوں نے اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے نیشنل جیوگرافک چینل کی ایک سیریز ایکسپیڈیشن گریٹ وائٹ میں اداکاری کی جو بعد میں نئے ٹائٹل شارک مین کے نام سے 2010 میں ریلیز ہوئی۔ وہ میکسیکو کے ساحل پر گیارہ دن تک ایک ٹیم کا حصہ بنے رہے جنھوں نے گیارہ بڑی سفید شارک پکڑیں اور ان پر تحقیق کے لیے ٹیگ لگائے، اس تحقیق کا مقصد شارک کی سمندر کے مختلف حصوں کی طرف ہجرت اور افزائش نسل کا جائزہ لینا تھا۔ اس تحقیق کا دورانیہ پانچ سال تھا اور اس میں سیٹلائٹ نیٹ ورک کو استعمال کیا گیا۔

پال واکر جہاں فلموں اور میرین بیالوجی کا شوق رکھتے تھے وہیں انھیں فلاحی کاموں سے بھی بہت دلچسپی تھی اور یہی ایک اچھے انسان کی خوبی ہے۔ مارچ 2010 میں جب چلی میں 8.8 شدت کا زلزلہ آیا اور کافی تباہی ہوئی تو واکر متاثرین کی مدد کے لئے وہاں پہنچ گئے اور جہاں تک ان سے ممکن ہوسکا انھوں نے مدد کی۔ اسی طرح ہیٹی میں زلزلے سے متاثر ہونے والوں کی مدد کے لیے بنائی گئی ایک تنظیم ریچ آوٹ ورلڈ وائڈ کے ساتھ وہاں پہنچے۔ اس کے علاوہ کیلی فورنیا میں کام کرنے والی فلاحی تنظیموں کا بھی تعاون کرتے رہتے تھے۔

جیسا کہ وہ فاسٹ اینڈ فیوریس میں بطور کار ریس ہیرو کے مشہور ہوئے مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ صرف فلم کے ہیرو ہی نہیں تھے بلکہ کار ریس کا بہت شوق رکھتے تھے اسی لیے انھوں نے ریڈ لائن کار ریسنگ سیریز میں حصہ لیا اور اے ای پرفارمنگ ٹیم کے ساتھ تھے۔ ان کی کار کو ریچ آوٹ ورلڈ وائڈ، انٹیز، بریمبو بریکز، واک، اوایس گیکن اور ہین کاک نے اسپانسر کیا۔

30 نومبر 2013ء کو ان کی سرخ اسپورٹس کار کو اس وقت حادثہ پیش آیا جب وہ راجر روڈز کے ساتھ ریچ آوٹ ورلڈ وائڈ کے چیریٹی شو میں شرکت کے بعد واپسی کے لیے روانہ ہوئے۔ حادثے کے وقت راجر گاڑی چلا رہے تھے جبکہ واکر ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ سرخ اسپورٹس کار نے بجلی کے پول سے ٹکراتے

ہی آگ پکڑ لی جس سے دونوں کی موقع پر ہی موت واقع ہو گئی۔ تاہم میڈیکل رپورٹ سے اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ دونوں کی موت حادثے میں چوٹیں لگنے کی وجہ سے ہوئی ۔راجر روڈز اور واکر کی دوستی کی ابتدا ریس میٹنگ میں ہوئی تھی اس کے بعد راجر، واکر کے فنانشیل ایڈوائزر بن گئے اور اس کے تمام بزنس معاملات کو دیکھنے لگے۔شوبز کی دنیا کے سپر اسٹارز اور واکر کے دوستوں نے پال واکر کی موت کوشوبز کی دنیا کے لیے ایک بڑا نقصان قرار دیا ہے۔ اسی طرح یونیورسل پکچرز کی طرف سے جاری کیے گئے بیان میں کہا گیا ہے کہ پال واکر اسٹوڈیو کے سب سے محبوب اور معزز افراد میں شمار ہوتا تھے۔ یہ ادارے کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

ایوارڈز اور نامزدگیاں

- 1993 میں آوٹ اسٹینڈنگ لیڈ ایکٹر کیٹیگری میں دی یوتھ ان فلم ایوارڈز کے لیے نامزد کیے گئے۔
- 2000 میں ایکسائٹنگ نیوفیس کیٹیگری میں ینگ ہالی وڈ ایوارڈ کے لئے نامزد کئے گئے۔
- 2001 میں بریک تھرو میل پرفارمنس کیٹیگری میں ہالی وڈ بریک تھروایوارڈ جیتا۔
- 2001 میں نیواسٹائل میکر کیٹیگری میں ینگ ہالی وڈ ایوارڈ جیتا۔
- 2002 میں بیسٹ آن اسکرین ٹیم کیٹیگری میں ایم ٹی وی مووی ایوارڈ جیتا۔
- 2003 میں چوائس مووی کیمسٹری کیٹیگری میں ٹین چوائس ایوارڈ جیتا۔
- 2009 اور 2011 میں ٹین چوائس ایوارڈ کے لیے نامزد کیے گئے۔

■

Aasim Raza
Doman Pura, Ansari Nagar
Mau - 275101 (UP)

مظفر حنفی

اب تو آجا

چوتھا سورج ڈوب چکا ہے
اب میرا جی اُوب چکا ہے
کہنا مان لیا ہے کتنا
کچا دودھ پیا ہے کتنا
دکھ دوشنبہ جھیل چکی ہوں
بدھ کا پاپڑ بیل چکی ہوں
میری مشکل حل کرنے کو
جنگل میں منگل کرنے کو

آخر کب آئے گا سنڈے
کب تک ترسائے گا سنڈے

نیلا والا سوٹ پہن کر
کالے کالے بوٹ پہن کر
فیروزی نکٹائی لگائے
سر پر پیلی چھتری چھائے
کندھے پر لٹکائے بستہ
تھامے ہاتھوں میں گلدستہ
بستے میں دو اُودے ریکٹ
جیبوں میں ٹافی کے پیکٹ

لے کر جھنڈے کب آئے گا
بھیا سنڈے کب آئے گا

■

Muzaffar Hanfi
D-40,Batla House, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

محبوب راہی

نظم

نغمۂ حب وطن

پھول جہد و عمل کے کھلائیں گے ہم — اپنے بھارت کو جنت بنائیں گے ہم
مشعلیں چاہتوں کی جلائیں گے ہم — نفرتوں کے اندھیرے مٹائیں گے ہم
شاخ در شاخ اب گلشن ہند میں — پھول بن کر سدا مسکرائیں گے ہم
ہے ترنگا جو عظمت کا اپنی نشاں — آسمانوں تک اس کو اٹھائیں گے ہم
اے وطن تیری عزت کی خاطر اگر — سر کٹانا پڑے تو کٹائیں گے ہم
درس دیں گے زمانے کو اخلاص کا — پیار کی راہ سب کو دکھائیں گے ہم
حسن اعمال سے حسن تدبیر سے — آپ اپنا مقدر بنائیں گے ہم
راہ میں سیکڑوں مشکلیں ہیں تو کیا — اپنی منزل بہر طور پائیں گے ہم
دین اور دھرم کے رنگ اورنسل کے — تفرقے ہند سے اب مٹائیں گے ہم
نور سے علم کے ہو کے آراستہ — مہر و مہ کی طرح جگمگائیں گے ہم
راہ میں آئے کوہ مصائب اگر — عزم کی ٹھوکروں سے اڑائیں گے ہم
کام ہے زندگی کام ہے بندگی — کام سے جی نہ ہرگز چرائیں گے ہم

کرکے اب کارہائے نمایاں کوئی
شانِ راہی وطن کی بڑھائیں گے ہم

■

Dr. Mahboob Rahi
Gulzari Masjid
Barsi Takli - 444401 (Maharashtra)

ایم اے کنول جعفری

بچوں کی دنیا

ا اُردو میں بچوں کی دُنیا
ر رنگ برنگ کا اک گلدستہ
و دیکھو اس میں عمدہ کہانی
و وافر ہیں نظمیں نورانی
م مضموں کی عمدہ سوغاتیں
ا ان میں پنہاں ڈھیروں باتیں
ہ ہم دل سے اس کو پڑھتے ہیں
ن نغمے بھی کچھ رٹ لیتے ہیں
ا ابو کو اچھا لگتا ہے
م ماں کے بھی دِل کو بھاتا ہے
ہ ہر بھائی کو خوب لبھائے
ب بہنا کے بھی من کو بھائے
چ چاروں طرف بچوں کی ٹولی
ہ وہ دیکھو کم سن ہم جولی
ن نازش کا بستہ کچھ بھاری
ک کاپی کتابیں لیکن پیاری

ی یارب یارب بھی کہتے ہیں
د دل سے پارہ بھی پڑھتے ہیں
ن نالاں ہوتے نہیں کسی سے
ی یہ تو ہیں بس پیارے بچے
ا ان سے ہے گھر بار کی زینت
ن نغموں سے بھی واضح حقیقت
ی یاروں کا ہر غم پہچانیں
د دل سے سب کو اپنا مانیں
ہ ہم کو پسند ہیں ان کی باتیں
ل لب پہ دعاؤں کی سوغاتیں
ی یہ بچے بس پیار کے قابل
یہ تو ہیں کل کا مستقبل

■
M A Kanwal Jafri
127/2, Jama Masjid
NEENDRU, Tehsil Dhampur
Distt. Bijnor - 246761 (UP)

عبیر الٰہی

بلجیم نے پہلی مرتبہ ہاکی کا عالمی کپ جیتا

بلجیم نے ہالینڈ کو سڈن ڈیتھ پنالٹی شوٹ آؤٹ میں 2-3 سے شکست دے کر پہلی مرتبہ ہاکی کا عالمی کپ حاصل کیا۔ مقررہ وقت تک دونوں ٹیمیں گول کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ پنالٹی شوٹ آؤٹ میں بھی جب اسکور 2-2 رہا تو فیصلہ سڈن ڈیتھ پنالٹی شوٹ آؤٹ کے ذریعے کیا گیا۔ بلجیم نے اس میں پہلے ہی پنالٹی پر گول کر دیا جبکہ ہالینڈ گول کرنے میں ناکام رہی۔

بلجیم ہاکی کا عالمی کپ جیتنے والی چھٹی ٹیم ہے۔ سب سے زیادہ مرتبہ عالمی کپ پاکستان نے جیتا ہے۔ 1971 میں پہلی مرتبہ خطاب حاصل کرنے کے علاوہ پاکستان نے 1978, 1981-82 اور 1994 میں چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔

ہالینڈ نے تین مرتبہ عالمی کپ جیتا ہے۔ اس نے 1973 میں اپنے گھر پر ہوئے ٹورنامنٹ میں پہلی مرتبہ یہ اعزاز حاصل کیا تھا جبکہ 1990 میں وہ دوسری مرتبہ اور 1998 میں تیسری مرتبہ چمپئن بنی تھی۔

ہالینڈ کی طرح آسٹریلیا نے بھی تین مرتبہ عالمی کپ جیتا ہے۔ اس نے 1986 میں پہلی مرتبہ چمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ جبکہ 2010 اور 2014 میں وہ لگاتار دو مرتبہ عالمی کپ ہاکی ٹورنامنٹ جیتنے میں کامیاب رہی تھی۔

جرمنی نے دو مرتبہ عالمی کپ جیتا ہے۔ اس نے 2002 میں پہلی مرتبہ اور 2006 میں دوسری مرتبہ یہ اعزاز جیتا تھا۔

ہندوستان نے ابھی تک صرف ایک مرتبہ عالمی کپ جیتا ہے۔ اس نے ایسا 1975 میں کوالا مپور میں ہوئے ٹورنامنٹ میں کیا تھا۔

اڑیسہ کی راجدھانی بھونیشور میں ہوئے عالمی کپ میں 16 ٹیموں نے شرکت کی جن کو چار گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ گروپ اے میں ارجن ٹائنا، فرانس، نیوزی لینڈ اور اسپین کو رکھا گیا تھا جبکہ گروپ بی میں آسٹریلیا، انگلینڈ، چین اور آئرلینڈ کی ٹیمیں تھیں۔ ہندوستان، بلجیم، کنیڈا اور جنوبی افریقہ کو گروپ سی میں جگہ ملی تھی جبکہ گروپ ڈی جرمنی، ہالینڈ، پاکستان اور ملیشیا پر مشتمل تھا۔

ہر گروپ میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی ٹیمیں کوارٹر فائنل میں کھیلنے کی حقدار بنیں جبکہ دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والی ٹیمیں پری کوارٹر فائنل جیتنے کے بعد کوارٹر فائنل میں داخل ہوئیں۔

انگلینڈ نے نیوزی لینڈ کو 0-2 سے، بلجیم نے پاکستان کو 0-5 سے، فرانس نے چین کو 0-1 سے اور ہالینڈ نے کنیڈا کو 0-5 سے ہرانے کے بعد کواٹر فائنل میں جگہ بنائی۔

کوارٹر فائنل میں اولمپک چمپئن ارجن ٹائنا کو انگلینڈ نے غیر متوقع طور پر 2-3 سے شکست دی، بلجیم نے جرمنی کے خلاف 1-2 سے کامیابی حاصل کی۔ آسٹریلیا نے فرانس کو 0-3 سے ہرایا جبکہ ہالینڈ نے میزبان ہندوستان کے خلاف 1-2 سے کامیابی حاصل کی۔ پہلے سیمی فائنل میں بلجیم نے انگلینڈ کو 0-6 سے ہرا کر پہلی مرتبہ عالمی کپ کے فائنل میں جگہ حاصل کی۔ دوسرے سیمی فائنل میں ہالینڈ نے پنالٹی شوٹ آوٹ میں دو مرتبہ کی دفاعی چمپئن آسٹریلیا کو 3-4 سے شکست دی۔ مقررہ وقت تک دونوں 2-2 سے برابر تھیں۔ پہلے پنالٹی شوٹ آوٹ میں دونوں نے تین تین گول کیے۔ سڈن ڈیتھ پنالٹی شوٹ آوٹ میں آسٹریلیا کا کھلاڑی گول اسکور کرنے میں ناکام رہا جبکہ ہالینڈ کے کھلاڑی نے گول کرکے اپنی ٹیم کو ساتویں مرتبہ فائنل میں پہنچا دیا۔

ہالینڈ سے زیادہ مرتبہ کوئی اور ٹیم فائنل میں کھیلنے کی حقدار نہیں ہوئی ہے۔ پاکستان نے چھ مرتبہ اور آسٹریلیا نے پانچ مرتبہ فائنل میں داخلہ حاصل کیا ہے۔

بلجیم نے ہالینڈ کے خلاف سڈن ڈیتھ پنالٹی شوٹ آوٹ میں کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ یورپ سے تعلق رکھنے والی چھٹی ٹیم ہے۔ اب عالمی کپ ہاکی ٹورنامنٹ جیتنے والی ٹیموں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ اس سے پہلے ایشیا اور یورپ سے تعلق رکھنے والی ٹیمیں پانچ مرتبہ عالمی کپ جیتنے میں کامیاب رہی تھیں۔ پاکستان نے چار مرتبہ اور ہندوستان نے ایک مرتبہ عالمی کپ جیتا تھا۔

بلجیم سے پہلے ہالینڈ نے تین اور جرمنی نے دو مرتبہ ہاکی کا عالمی کپ جیتا تھا۔

پہلی مرتبہ عالمی کپ ہاکی ٹورنامنٹ میں کوارٹر فائنل اور پری کوارٹر فائنل میچ کھیلے گئے کل 36 میچوں میں 157 گول ہوئے۔ اس میں 96 فیلڈ گول ہوئے جبکہ پنالٹی کارنرز سے 57 اور پنالٹی اسٹروکس سے چار گول کیے گئے۔

چار سال قبل ہوئے عالمی کپ میں 162 گول ہوئے تھے جس میں 88 گول فیلڈ گول تھے۔ 65 گول پنالٹی کارنرز اور نو گول پنالٹی اسٹروکس پر کیے گئے تھے۔

اس مرتبہ 87 کھلاڑیوں نے گول کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ آسٹریلیا کے فارورڈ بلیک گورس اور بلجیم کے پنالٹی کارنرس اسپشلسٹ الگزینڈر ہنڈریکس سات سات گول کے ساتھ مشترکہ طور پر سب سے زیادہ گول کرنے والے کھلاڑی رہے۔ الگزینڈر ہینڈرکس نے سبھی سات گول پنالٹی کارنرس پر کیے۔ بلیک گورس نے تین فیلڈ گول اور چار گول پنالٹی کارنرس پر کیے۔

ارجن ٹائنا کے گونزالو پیلاٹ نے چھ گول کیے اور تیسرا مقام حاصل کیا۔ انھوں نے سبھی گول پنالٹی کارنرس پر اسکور کیے۔

تیسری پوزیشن کے لیے ہوئے میچ میں آسٹریلیا نے انگلینڈ کو 1-8 سے شکست دی۔ آسٹریلیا نے پانچویں مرتبہ تیسرا مقام حاصل کیا ہے۔ اس سے زیادہ مرتبہ کوئی دوسری ٹیم تیسرا مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہیں رہی۔ اس نے اس سے پہلے 1990, 1982, 1978 اور 1994 میں تیسرا مقام حاصل کیا تھا۔

■

Abeer Ilahi
1407, Qasim Jan Street
Ballimaran, Delhi - 110006

جوابات

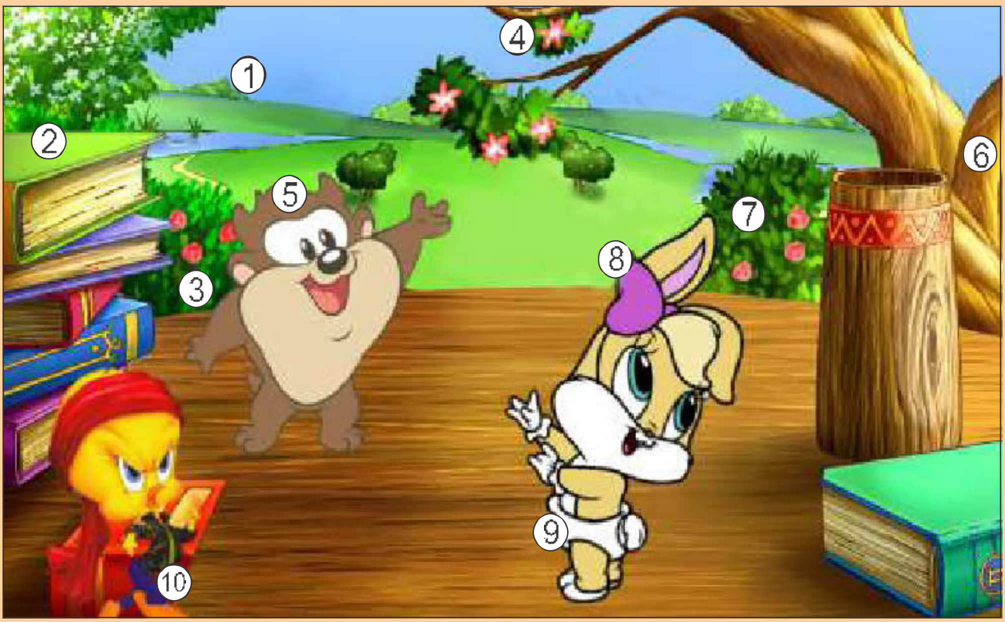

سراج فاروقی

موبائل

عادل اب کی دس سال کے بعد گاؤں جا رہا تھا۔ پہلے وہ چار سال کا تھا جب گیا تھا۔ پھر اُس کے والد کو فرصت ہی نہ ملی۔ کاروبار میں ایسے اُلجھے کہ گاؤں جا ہی نہ پائے۔ اُن کی بھانجی کی شادی تھی۔ اِس لیے اَب جانا ضروری ہو گیا تھا۔ سو جا رہے تھے۔ جاتے جاتے انھوں نے اپنے بیٹے کو اسمارٹ فون خرید کر دیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے وعدہ کیا تھا۔ اگر وہ دسویں میں امتیازی نمبروں سے پاس ہو گیا تو اُسے اسمارٹ فون دلا دیں گے۔ مگر اِن شرطوں کے ساتھ کہ وہ اُس کا بے جا استعمال نہیں کرے گا۔ وہ گاؤں جا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ساتھ عادل بھی تھا۔ وہ گاؤں کی دھرتی دیکھنے کے لیے بہت بے قرار تھا۔ کیونکہ وہ ماں باپ سے وہاں کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ اور اُس کے لیے خاصی دلچسپی کا سامان تھا۔

گاؤں پہنچ کر عادل وہاں کے ہر پل کی فوٹو گرافی کرتا رہا۔ وہاں کے پیڑ پودوں، کھیتوں، کھلیانوں، مویشیوں، ندی، نالوں، تالابوں نیز آم، مہوؤں اور اَمرودوں کے باغوں میں جا کر پنچھیوں اور اُن کی تصویر کشی کرنا۔ وہ کوئی بھی لمحہ یا منظر ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جہاں بھی اُسے نظر آتا شوٹ کر لیتا۔ اُسے بڑا مزہ آ رہا تھا۔

ایک دن سورج پچھّم میں خیمہ زن تھا۔ اُس کی سرخ کرنیں ماحول کو رنگین بنا رہی تھیں کہ وہ مَوہر یا تالاب سے مرغابیوں اور دیگر پنچھیوں کی تصویریں لے کر، جب گاؤں پہنچا تو کافی ہنگامہ مچا ہوا تھا، بہت سے لوگ جمع تھے۔ چیخ و پکار ہو رہی تھی۔ وہ لپک کر جب وہاں پہنچا تو دیکھا۔ زبیر میاں، پچاس پچپن کی عمر، جھکی سی کمر، سانولا رنگ، پچکے گال، پکی پکی شیو، سر کے بال کھچڑی۔ اپنے آٹھ سالہ کلّو کو بے تحاشہ مار رہے تھے۔ اور وہ ابّو ابّو کہہ کر پناہ مانگ رہا تھا۔ مگر اُس کے ابّو ہیں کہ مارنے سے باز نہیں آ رہے ہیں۔

بھیڑ میں کھڑے ہو کر عادل نے اپنے ہم عمر ایک لڑکے سے معاملہ پوچھا تو اُس نے پھُسپھسا کر کان میں بتایا، ''کلّو نے بَبّو میاں کے احاطہ سے پپیتا توڑا ہے۔ اُس کی شکایت آئی ہے۔ اِس لئے اُس کے ابّو مار رہے ہیں...''

اِتنا سننا تھا کہ عادل کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اُس نے

پوچھا ''کب کی بات ہے....؟''

''آج دوپہر کی ہے..!''

''آج دوپہر کی ہے...'' اس نے اپنے ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کی۔

''ہاں....!'' اس لڑکے نے تائید کی۔

اَب عادل کے ذہن میں دوپہر کا وہ منظر گھوم گیا۔ جب اس نے ایک لڑکے کو پپیتا توڑتے ہوئے شوٹ کیا تھا اور جلد ہی وہ منظر صاف ہوگیا۔ وہ لڑکا کون تھا؟ اَب اِتنا دن گاؤں میں رہنے کی وجہ سے اس نے بہتوں کو پہچان لیا تھا۔ اُس نے جلدی سے جھلاّ کر کہا، ''اِس نے وہ پپیتا نہیں توڑا ہے...!''

اور بھیڑ میں اِدھر اُدھر دیکھ کر گرم جوشی سے کہا، ''نگّن میاں کے ناتی نے توڑا ہے.....''

اُب تو ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی۔ کیوں کہ نگّن میاں اس گاؤں کی دھرتی پر کافی اَثر و رسوخ رکھنے والے دَبنگ قسم کے شخص تھے۔ اُس نے ایسے شخص کا نام لے لیا تھا۔ جس کا نام لینا تو کیا اُن کی پرچھائیں سے لوگ ڈرتے تھے۔ وہ تو شہری تھا۔ اُسے کیا معلوم؟ کون دَبنگ ہے اور کون شریف؟ وہ تو سب انسانوں کو انسان ہی سمجھ رہا تھا۔ خوف نام کی چیز اُس کے چہرے پر نہیں تھی۔

بھیڑ میں نگّن میاں بھی موجود تھے۔ بڑی بڑی مونچھیں اور ڈیل ڈول کے ساتھ، کُرتے اور لنگی میں ملبوس۔ اُنھوں نے ہاتھ فضا میں لہرا کر کہا، ''لونڈے! تو کیا بول رہا ہے؟ ہوش میں تو ہے۔ تُو جانتا ہے کیا کہہ رہا ہے؟ ہمارا ناتی حفظ کر رہا ہے...'' انھوں نے رعب جمانے کی پوری کوشش کی، ''وہ اس گاؤں میں پندرہ سولہ سالوں سے رہ رہا ہے۔ آج تک اُس کی کوئی شکایت نہیں آئی ہے۔ اور تُو چار دن سے آ کر اُسے چور ثابت کر رہا ہے.....''

''ہاں وہی چور ہے...'' عادل نے جیسے چیخ کر کہا۔

نگّن میاں کے دل میں آیا بڑھ کر اُس کا منھ نوچ لیں۔ مگر کچھ بھیڑ یا مصلحت کا تقاضا تھا۔ وہ ایسا نہیں کر سکے۔ اُنھوں نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا، ''تیرے پاس اِس کا کیا ثبوت ہے...؟''

''ہاں! میرے پاس ثبوت ہے ....'' عادل نے جلدی سے اپنا اسمارٹ فون جیب سے نکالا اور اُس نے شوٹ کی گئی

اُس کی کارستانی دکھادی۔

سبھی نے باری باری سے اُس کی تصویر کو دیکھا اور آخر میں نگّن میاں نے بھی اُس کے درشن کیئے ۔اَب طیش میں آنے کا سوال ہی نہ تھا۔ثبوت سامنے تھا۔اُس کی کوئی کاٹ ہی نہ تھی۔

سچائی سامنے آنے پر نگّن میاں کا ناتی وہاں سے ایک دو تین ہوگیا ۔اور اُن کی بولتی بند ہوگئی۔ جلدی سے کلّو کی چھوٹی بہن نے دوڑ کر اپنے بھائی کی رسّی کھول دی ۔وہ آزاد ہوگیا اور سسکتے ہوئے کھڑے ہوکر کپڑوں میں لگی دھول جھاڑنے لگا۔ ساتھ ہی اُس کی بہن بھی اُس کی مدد کرنے لگی۔اَپنوں کا درد مشترک ہوتا ہے۔جلدی سے عادل نے بھی اُس کے پاس پہنچ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھرایا۔

کلّو کے ابّا زبیر میاں تڑپ کر بولے،''کھایا نہ کھایا باگھ کا منھ لال ہی ہوتا ہے۔غریب کا لڑکا پورے گاؤں کا نوکر۔ غریب دیکھ کر الزام لگا دیتے ہیں۔اب پکڑو نا اُسے...!''

زبیر میاں کی بیوی بھی منھ بسورتے ہوئے اُبل پڑی، ''تم بھی بڑے مچھندر بنتے ہو۔نہ جانچتے ہو نہ پرکھتے ہو۔جب دیکھو بیوی بچوں پر پل پڑتے ہو..!'' اور وہ جاکر آنچل سے کلّو کا چہرہ پونچھنے لگی ،''اگر یہ بچہ نہیں آیا ہوتا آج مار ہی ڈالتے ۔بیٹے کون ہو تم...؟'' اُنھوں نے عادل سے سوال کیا۔

پاس کھڑے ایک شخص نے کہا،''اَبرار علی کا بیٹا ہے.....''

''جُگ جُگ جیو...'' اُنھوں نے اُسے دعائیں دی۔

عادل جب اپنے گھر آیا تو باپ کو بتایا،''آج اِس موبائل نے ایک بے قصور کی جان بچالی ہے....''

''کیسے...؟'' باپ نے اخبار پرے کرتے ہوئے سوال کیا تو عادل نے پوری داستان سنادی۔

باپ نے کہا،''بہت خوب.....اسی طرح اِس موبائل سے لوگوں کی مدد کرتے رہنا....'' اور شاباشی میں اُس کی پیٹھ تھپتھپادی۔

اَگلے دن اُن کی روانگی تھی ۔وہ ''رام چَورا اسٹیشن'' پر ٹرین کے اِنتظار میں بیٹھے تھے کہ کلّو کھیتوں اور باغوں سے بھاگتے وہاں آیا۔اور عادل کے اَبّو سے رگڑ رگڑا کر کہنے لگا،''مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو ۔ میں یہاں رہنا نہیں چاہتا ہوں۔یہاں کے بچے گندے ہیں ۔میں بھی پڑھ لکھ کر اچھا انسان بنوں گا.....!''

عادل کے اَبّو نے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،''بیٹے ! ابھی تم بہت چھوٹے ہو ۔اَبھی تم یہیں رہو اور اسکول میں نام لکھا لو ،پڑھو ۔اور جب بڑے ہو جاؤ گے تو میں تم کو شہر لے چلوں گا اور اچھے اسکول میں داخلہ کروا دوں گا......''

اور پھر عادل نے آگے بڑھ کر اپنا ہنڈسیٹ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،'' اور اِسے اپنے پاس رکھو .... جہاں برائیاں دیکھو اِس میں قید کرلو۔ اور لوگوں کو دکھا دو۔کون بد معاش ہے...؟'' اور اُس کے چہرے پر مسکان پھیل گئی۔اتنے میں اُن کی ٹرین آگئی اور وہ لوگ ٹرین میں بیٹھ گئے ۔کلّو نے نیچے کھڑے ہوکر اُن کی ایک عدد تصویر کھنچی ۔ٹرین نے سیٹی دی اور جھک پک جھک پک کرتی رفتار پکڑ لی۔اور کلّو ہاتھ ہلا ہلا کر الوداعیہ سلام پیش کرتا رہا۔

■

Siraj Farooqui
703-Wadghar, Panvel-410206
Dist-Raigad, Navi Mumbai (Maharashtra)

سید سبحان انجم

نظم

اردو

کتنی پیاری زبان ہے اردو
میرے بھارت کی شان ہے اردو
ملک میں اَن گنت ہیں بھاشائیں
سب زبانوں کی جان ہے اردو

اس میں وسعت ہے اس میں گہرائی
کتنا اونچا مقام اردو کا
ساری دنیا کے لفظ ہیں اس میں
جیسے لشکر ہے نام اردو کا

اس کو پالا امیر خسرو نے
اس نے بھارت میں آنکھ کھولی ہے
میری اردو نہیں ہے باہر کی
یہ بھی بھارت کی ایک بولی ہے

اک ولی نے اسے سنبھالا ہے
ہے دکن پاسبان اردو کا
اس کے مرکز تھے لکھنؤ، دہلی
اب ہے سارا جہان اردو کا

میر و غالب ہوئے ہیں اردو کے
اور نسیم و فراق شیدائی
ذوق و مومن نے بھی سنوارا ہے
ساری قوموں نے کی پذیرائی

سودا ناسخ امیر اور انشاء
آرزو درد فانی اور جلیل
یاس مجروح اور علی سردار
دانش اختر عدم حفیظ و شکیل

داغ اقبال اور جگر حسرت
جوش سیماب کیفی اور مجاز
خوب شاعر ہوئے ہیں اردو کے
فیض ساحر قتیل اور فراز

اس کو مذہب سے واسطہ ہی نہیں
جس نے چاہا اسی کی کہلائی
گیت گائے ہیں اس کے آشا نے
اور جگجیت نے غزل گائی

کچھ کتابیں خرید اردو کی
اپنے بچوں کو بھی پڑھاؤ تم
ان کی تعلیم کا خیال رکھو
ان کو تہذیب بھی سکھاؤ تم

انجم بھی جانتے ہیں کہ پیاری زبان ہے
اردو ہے جس کا نام ہماری زبان ہے

■

Syed Subhan Anjum
Ahmad Manzil, Zia Colony
Khamgaon - 444303 (MS)

دوستی بچو! کتابوں سے کرو

دردِ دل ہو اور محبت چاہیے
آدمی میں آدمیت چاہیے
کام آئے بھائی چارا اور خلوص
اپنے دل سے دور نفرت چاہیے
پھول خوشبو جیسے بانٹے بے غرض
پیار پھیلانے کی عادت چاہیے
دوستی بچو! کتابوں سے کرو
کامیابی کی جو عزت چاہیے
مرتبہ اونچا ملے تعلیم سے
پڑھنے لکھنے میں مہارت چاہیے
خواب پورے مفت میں ہوتے نہیں
خوب محنت اور مشقت چاہیے
مشکلیں راہوں میں آتی ہیں ضرور
سامنا کرنے کی ہمت چاہیے
کوئی اپنا ہی نہیں ماں باپ سا
دل میں ان کی قدر و قیمت چاہیے
ہے بشیر احمد ضروری کھیل بھی
تندرستی کی جو دولت چاہیے

■

Syed Bashir Ahmed Bashir
Darus-Salam Residency
7th F, 708 Near Pangal Urdu High School
Siddheshwar Peth
Solapur - 413001 (Maharashtra)

دیش کا فوجی

فوجی ہوں میں فوجی ہوں
مَیں بھارت کا فوجی ہوں
سرحد پر میں جب بھی جاؤں
دشمن کو میں مار گراؤں
ہندوستانی میں کہلاؤں
اور وطن پر جان لٹاؤں
اس پہ جسم و جان لٹاؤں
پیار میں اس کے میں مٹ جاؤں
ہندوستاں کے چار سپاہی
ہندو، مسلم، سیکھ، عیسائی
سونے کی چڑیا کے جیسا
میرا بھارت دیش ہے ایسا
فوجی ہوں میں فوجی ہوں
مَیں بھارت کا فوجی ہوں
ہر فوجی کو میرا سلام
ہندوستانی میرا نام
جے ہند

■

Momin Mohd Saleem Abdul Hameed
403, Classic Palaza, Teen Batti
Bhiwandi - 421302
Distt: Thane (Maharashtra)

باغبان ہارون رشید

ہم تو چڑیا ہیں

پوری کلاس میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب بچّے ٹیچر کی کہانی کو پورے غور سے سن رہے تھے کہ اسکول کی بیل بجنے لگی اور تمام بچے چیختے چلاتے اور شور مچاتے کمروں سے باہر نکلنے لگے۔ روحی بھی اپنا وزنی بستہ اُٹھائے باہر نکل آئی اور اپنے دوستوں کے ساتھ گھر کی طرف نکل پڑی۔ مگر راستے بھر میں اس کے ذہن میں اس کے پسندیدہ ٹیچر کا چہرہ اُبھر رہا تھا اور بار بار ذہن میں ٹیچر کی سنائی ہوئی چڑیا اور کوّے کی کہانی یاد آرہی تھی۔

''ایک چڑیا تھی، ایک کوّا تھا۔ چڑیا کا گھر سمینٹ کا اور کوّے کا گھر نمک سے بنا تھا۔ ایک روز۔ اچانک زوردار بارش شروع ہوئی اور کوّے کا گھر پگھل کر بہہ گیا۔ پریشان حال کوّا چڑیا کے گھر گیا اور مدد مانگی۔ مگر چڑیا نے......''

ابھی کہانی مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ زوردار بارش شروع ہوگئی۔ بارش سے بچنے کے لیے لوگ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ مگر چونکہ روحی کا گھر قریب ہی آ گیا تھا۔ اس لیے روحی تیز دوڑتی ہوئی اپنے گھر پہنچ گئی۔ وہ بھیگ چکی تھی۔ اس لیے گھر میں داخل ہوتے ہی روحی کی امّی اس کا سر پونچھنے لگی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ روحی نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔ اسے اپنے سامنے ایک شخص نظر آیا۔ جو بارش کی وجہ سے پوری طرح بھیگ چکا تھا اور سردی کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ اس شخص نے بارش رک جانے تک روحی کے گھر میں رکنا چاہا۔ روحی کی ماں نے اجازت دے دی اور روحی نے اس شخص کو گھر میں لاکر بٹھادیا۔ روحی اس نووارد کے ساتھ باتیں کرتی رہی اور امّی کچن میں اپنا کام کرنے چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد روحی کے والد آفس سے واپس آئے۔ وہ بھی بارش میں بھیگ چکے تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے، تب انھیں ایک اجنبی، صوفہ پر بیٹھا نظر آیا۔ وہ کمرے میں چلے گئے۔ روحی بھی ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی۔ انھوں نے روحی سے اس شخص کے متعلق پوچھا۔ روحی نے تفصیل

بتائی۔ انھوں روحی کو گھور کر دیکھا اور امی کو بلوا کر کہا۔

’’تم نے ایک اجنبی کو بغیر جان پہچان کے، گھر میں پناہ دی۔ جانتی ہو تم نے کتنی بڑی غلطی کی ؟ جانتی نہیں زمانہ کتنا خراب ہے؟...... کچھ دیر رُک کر انھوں نے روحی سے کہا۔

’’اب جاؤ۔ اس شخص سے کہہ دو کہ وہ چلا جائے۔ شاید بارش کم ہوگئی ہو۔‘‘ روحی نے امی کی طرف دیکھا۔ انھیں خاموش دیکھ کر بیرونی کمرے میں چلی گئی۔ اس نے اجنبی سے معذرت چاہی اور اسے چلے جانے کو کہا۔

وہ شخص خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا مگر روحی کے ذہن میں بار بار ایک خیال آرہا تھا اس نے سوچا۔’’ ہم نے اس شخص کو باہر چلے جانے کو کہا۔ طوفانی بارش کے باوجود بھی ہمیں اس اجنبی کو باہر بھیجنا پڑا۔

کیونکہ......

ہم بھی تو چڑیا ہیں نا؟ ایک فرماں بردار چڑیا.....؟‘‘

قیمت

صبح صبح فضلو بابا نے کھڑکیوں کو کھولا تو سورج کی کرنوں نے اُن کی آنکھوں کو چکا چوند کر ڈالا۔ مشرق کی طرف دیکھنے پر انھیں محسوس ہوا، گویا ’’سورج کو چونچ میں لیے مرغا کھڑا ہو‘‘ کیونکہ اطراف کی بلند عمارتوں کے کچھ حصوں سے ابھرتے سورج کا نظارہ بہ آسانی کیا جاسکتا تھا۔

فضلو بابا دریچے صاف کر رہے تھے کہ ایک آواز سنائی دی۔’’ اللہ کے نام پر خیرات دے دو بابا! فضلو بابا کے تیور بگڑ گئے۔ مگر محض عبدالرحمٰن صاحب کی ہدایت پر انھوں نے فقیر کو چند سکّے دے دیے مگر فقیر نے پیسے لیتے ہوئے کہا ’’بابا تین دنوں سے کچھ تازہ نہیں کھایا۔ گھر میں تازہ بریانی یا پوریاں ہوں تو دے دو۔‘‘ فضلو بابا نے اس خفا ہوتے ہوئے کہا’’تمھیں شرم نہیں آتی ؟‘‘ اچھے بھلے، ہٹّے کٹّے ہو اور ہاتھ پاؤں بھی سلامت ہیں پھر بھی بھیک مانگتے ہو؟‘‘ تب فقیر نے تلملا کر کہا،’’ تو کیا چند سکوں کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا لوں؟ فقیر کے اس جواب نے فضلو بابا کو للکار دیا۔ پھر کیا تھا؟ دونوں میں گرما گرم بحث چھڑ گئی۔ ان کی چیخ پکار سن کر عبدالرحمٰن صاحب باہر آئے اور تفصیل معلوم کی۔

اچانک فقیر نے درد بھرے انداز میں اپنا حال سنایا۔ عبدالرحمٰن صاحب نے فقیر کی بے بنیاد باتوں کا اندازہ لگایا۔ انھوں نے فقیر کو سمجھانا چاہا کہ وہ کسی کا مجبور ہوکر رہنے کی بجائے خود محنت کرے اور خود کما کر کھائے۔ مگر فقیر نے راہِ فرار تلاش کرنا شروع کیا۔ تب عبدالرحمٰن صاحب نے کچھ سوچ کر کہا’’میں تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر تم مجھے اپنی ایک آنکھ دے دو تو میں تمھیں دس ہزار دوں گا۔ اور اگر دونوں آنکھیں دے دو تو بیس ہزار روپے دوں گا۔‘‘ انھوں نے یہ بتایا کہ ان کے کسی عزیز کی دونوں آنکھیں خراب ہیں اور ان کا آپریشن کرنا ہے۔

اس فقیر کے لیے یہ بہت آسان اور فائدہ مند سودا نظر

آنے لگا۔ اس نے سوچا کہ وہ اس شخص کی مجبوری کا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اور ایک آنکھ کی قیمت دس کی بجائے بیس ہزار مانگ سکتا ہے۔ یہ سوچ کر فقیر نے اپنی آنکھ کی قیمت بیس ہزار لگائی۔ اچانک فقیر نے قیمت دگنی کی پھر بھی عبدالرحمٰن صاحب نے حامی بھر لی۔ مگر غیر ارادی طور پر اس فقیر کو ایک بات سوجھی کہ وہ ایسے ہر ضرورت مند فرد کو اپنے جسم کا بیکار عضو بیچ دے گا اور لاکھوں روپے کمائے گا۔ مگر وہ بھی آخر انسان تھا۔ اس نے غور کیا میری ایک آنکھ کی قیمت بیس ہزار روپئے، دونوں آنکھوں کی قیمت چالیس ہزار یعنی ناک، ہاتھ پیر کی قیمت ڈھیر ساری دولت؟ مگر یہ تمام چیزیں خدا نے مجھ کو بلا قیمت اور بلا معاوضہ عطا کی ہیں۔ تو کیوں نہ ان اعضا کا استعمال کر کے خود محنت کروں اور اپنی زندگی بسر کروں؟ اس لمحہ فقیر نے عبدالرحمٰن صاحب کو یقین دلایا کہ وہ اب خدا کی ان نعمتوں سے فائدہ اُٹھائے گا۔ اور اپنی زندگی گزارے گا۔ یہ سن کر عبدالرحمٰن صاحب مسکرانے لگے انھوں نے فقیر کی ہمت افزائی کی اور رخصت کیا۔

عمارہ کو اپنا گاؤں بے حد پسند تھا۔ وہ ہر روز اسکول ختم ہوتے ہی مصباح، ماریا، صباحت، ثنا، ذوالکفل، اُسامہ وغیرہ کے ساتھ سرسبز کھیتوں میں کھیلنے چلی جاتی۔ وہ تمام لہلہاتی فصلوں میں اُچھل کود کرتے۔ ہر سال اکتوبر کی چھٹیاں ان کے لیے ہزاروں خوشیاں لے آتیں۔ مگر اس سال عمارہ بے حد اداس تھی کیونکہ وہ سب بچّے جب بھی کھیتوں میں کھیلنے جاتے تو وہاں انھیں لہلاتی فصلوں کی بجائے سوکھی ہوئی بنجر زمین نظر آتی۔ وہ تمام بچّے جس درخت سے پتے توڑ کر ٹوپیاں بنا کر کھیلتے یا پتوں کا ہار بنایا کرتے، وہ درخت اب اجڑ گیا تھا۔ آم کے درخت پر لگنے والے بڑے بڑے مزیدار آم نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ یہ منظر عمارہ کو پھر اداس کر دیتا۔ عمارہ کی اداسی کی وجہ سے حفیفہ، گلنار، مصباح اور صباح بے حد پریشان تھے۔ صرف یہ بچے ہی نہیں ان کے گاؤں کا ہر شخص اس سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھا اور گاؤں کے سبھی لوگ اس پریشانی کو دور کرنے کی کوشش میں لگے تھے۔

جمعہ کا دن تھا۔ گاؤں کے لوگ ایک دو کی ٹولیوں میں مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ عمارہ ان لوگوں کو دیکھتی ہوئی اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی تب ہی اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ گاؤں کے چوپال پر جمع ہو رہے ہیں۔ عمارہ بھی ادھر بڑھ گئی۔ وہاں اس نے دیکھا چوپال پر لگے خبروں کے تختہ پر ایک اعلان لکھا تھا کہ آج نماز جمعہ کے بعد گاؤں سے ذرا فاصلے پر سوکھے کھیتوں کے علاقے میں بارش کے لیے اجتماعی ذکر اور دعا کی جانے والی ہے۔

عمارہ فوراً اپنے گھر آئی اپنے ضروری کام مکمل کرنے کے بعد وہ بھی ذکر و دعا میں شریک ہونے کے لیے نکل پڑی۔ اس نے اپنے ساتھ ایک چھوٹی سی چھتری لے لی تاکہ بارش ہونے پر خود کو بارش سے بچا سکے۔

ذکر و دعا کے مقام پر پہنچتے ہی عمارہ کو وہاں بہت سارے

مرد، بوڑھے، بچے وغیرہ نظر آئے۔ مگر جیسے ہی عمارہ آگے بڑھی، چند لوگوں نے اس پر قہقہہ لگایا۔ چھتری دیکھ کر فضلو چاچا نے چھیڑا ''ارے عمارہ آج یہاں ابھی بارش کے لیے دعا مانگی جا رہی ہے۔ ابھی تو بارش ہوئی نہیں اور تم چھتری لے کر آ گئیں؟''

جب سب نے قہقہہ لگایا تو عمارہ نے کہا'' چچا اب ہم ذکر اور دعا کریں گے تب بارش تو ہوگی ہی نا؟ اس وقت یہ چھتری میرے کام آئے گی'' یہ سن کر سب نے پھر قہقہہ لگایا۔ اسی وقت مولوی صاحب نے آگے بڑھ کر عمارہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور لوگوں سے کہا ''اے لوگو! ہم اتنے سارے لوگ یہاں بارش کے لیے دعا مانگنے آئے ہیں مگر ہمیں اپنی دعا پر بھروسہ نہیں۔ مگر اس معصوم بچی کو دیکھو، اس نے گھر سے نکلتے وقت اپنے ساتھ چھتری لے لی! اس یقین کے ساتھ کہ خدا ہماری دعا قبول کرے گا اور اسی وقت بارش ہو سکے گی اور یہ بچی بارش میں اپنی چھتری استعمال کرے گی۔ یہی خدا پر یقین کہلاتا ہے۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔''

یہ سن کر قہقہے لگانے والوں نے سر جھکا لیے تب عمارہ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر گھنے بادل چھا رہے تھے۔ تمام لوگ ذکر اور دعا میں مشغول ہوگئے۔ دعا کے ختم ہونے تک سرد ہوائیں چلنے لگیں اور بجلیاں کڑکڑانے لگیں۔ اور جلد ہی عمارہ کو چھتری کھولنی پڑی کیونکہ..... رحمت کی بارش شروع ہو چکی تھی۔ (مرکزی خیال ماخوذ)

■

Dr. Baghban Haroon Rashid
401, Begum Peth, Ayesha Azeez Apartment
Solapur - 413001 (Maharashtra)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

ابوبکر عرب

شہد کی مکھی اور تتلی

ایک کنول کا پھول پانی میں رہتا تھا۔شہد کی مکھی نے پھول کو سلام عرض کیا اور کہا۔

''میں آپ میں سے رس نکال سکتی ہوں؟ پھول مسکرایا اور اس سے کہا۔''ہاں اجازت ہے شہد کی مکھی آرام سے بیٹھ کر رس نکالنے لگی۔تھوڑی دیر بعد اُسی پھول پر ایک خوبصورت تتلی آئی۔ اس نے بھی پھول سے اجازت لی اور رس نکالنے میں مصروف ہوگئی۔ اُسی دوران تتلی اور شہد کی مکھی میں دوستی ہوگئی۔دونوں باتیں کرنے لگے۔'' پھول نے کہا۔

''ارے میں بھی تو تمھارا بچپن کا دوست ہوں، کیا مجھے بھول گئے ہو؟'' مکھی نے کہا۔

'' نہیں پھول بھائی۔ہم تمھیں کیسے بھول سکتے ہیں۔بچپن سے لے کر اب تک تم پھولوں ہی سے تو خوراک حاصل کرتے آرہے ہیں۔'' پھول نے کہا۔

''تمھاری خوراک اللہ تعالیٰ نے مجھ میں سے لکھی ہے۔ اس میں میری خوش قسمتی ہے۔میں تم لوگوں پر کوئی احسان نہیں کررہا ہوں۔ پھر تینوں بچپن کی باتیں کرنے لگے کہ جب ہم چھوٹے ہوا کرتے تھے تو وہ کیا شرارتیں کیا کرتے تھے۔تتلی نے مکھی کو بتایا کہ وہ کب اڑنے لگی تھی۔

سورج خوب چمک رہا تھا۔تتلی کو گرمی لگ رہی تھی۔اس نے کہا۔

اُف تو یہ سورج کتنا تیز چمک رہا ہے اور گرمی بھی ہورہی ہے کسی سائے کی طرف چلتے ہیں اور ہاں دوسرے پھول ہمارا انتظار کررہے ہوں گے۔

ایک دن تتلی نے دیکھا کہ شہد کی مکھی اپنے بچوں کی کیسے خدمت کررہی ہے اور ان کے لیے کھانا کیسے بنارہی ہے؟ تتلی یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور دونوں ایک باغ میں پھولوں کا رس

نکالنے چلی گئیں۔ دونوں ہنستی اور مذاق کرتی ہوئیں ایک باغ میں آ گئیں وہاں سے بھی انہوں نے رس نکالا اور تتلی نے کہا۔

’’مکھی بہن تم بہت محنت کرتی ہو اور تمھارے چرچے تو ساری دُنیا میں ہیں اور تم خاص طور پر بچوں میں بہت مشہور ہو، تمھارا تیار کردہ شہد لوگوں کو بہت پسند ہے اور ساری دُنیا میں پایا جاتا ہے‘‘ شہید کی مکھی نے کہا۔

’’تتلی بہن یہ تو میرا فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس قابل بنایا ہے کہ میں انسانوں کے کام آ سکوں۔‘‘ تتلی نے کہا۔

بہن تمھارا نام تو مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن مجید میں بھی ہے۔ پھر مکھی تتلی کے گھر بھی گئی اور تتلی کے بچوں سے مل کر بہت خوش ہوئی اور انہیں پیار کیا، اور دونوں نے خوب باتیں کیں۔

یوں دن گزرتے گئے۔ ایک دن دونوں ایک جگہ سے گزر رہی تھیں کہ تتلی کی نظر ایک گھر کی کھڑکی پر پڑی اُس نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچے کو شہد کھلا رہی ہے تتلی نے کہا۔

مکھی بہن وہ دیکھو! مکھی نے کہا۔

’’یہ اپنے بچے کو اس لیے شہد کھلا رہی ہے تا کہ اس کا بچہ صحت مند، طاقت ور اور بیماریوں سے بچا رہے اور مجھے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ ہم جیسی چھوٹے وجود والی چیزیں بھی انسانوں کی خدمت کرتی ہیں۔ واقعی اللہ کسی کو بھی فضول پیدا نہیں کرتا۔ تمہاری وجہ سے پھل تیار ہوتے ہیں۔

■

Abu Bakar Arab
A.A.Arab C/o,Dr. Bhavikatti
Soudagar Chal Behind Kakar
Masjid Line Bazar
Dharwad-01 (Karnataka)

شفیق الرحمن صدیقی

نافرمانی کا انجام

کسی گاؤں میں ایک لڑکا اپنی بیوہ ماں کے ساتھ رہتا تھا، اس کا نام تھا برجیش، وہ بہت سیدھا سادا لڑکا تھا، کم عمری میں ہی ماں کا ہاتھ بٹانے لگا تھا۔

ایک دفعہ برسات کا موسم تھا، ندی، نالے، کھیت کھلیان، پانی سے بھرے پڑے تھے، شام کا وقت تھا، آسمان ابر آلود تھا، برجیش کی ماں دو چار بھٹے لائی تھی جو کھیت کے مالک نے اس کی محنت، لگن اور ایمانداری سے خوش ہو کر ہدیے کیے تھے۔

اس کی ماں نے چولھے میں چھوٹی چھوٹی لکڑیاں اور گھاس پھوس ڈال کر آگ جلائی اور اس پر بھٹے بھوننے لگی، برجیش اس کے قریب بیٹھ کر اس کے پکنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب بھٹے خوب اچھی طرح پک گئے تو اس کی ماں نے اس کا حصہ نکال کر اس کو دیا۔ برجیش نے اپنا حصہ لیا اور باہر جانے لگا، اس کی ماں نے پوچھا، بابو کہاں جا رہے ہو؟

میں ندی میں نہانے جا رہا ہوں، کتنا سہانا موسم ہے، خوب مزا آئے گا، برجیش نے جواب دیا اور باہر نکل گیا، اس کی ماں پکارتی رہ گئی۔

نصف گھنٹہ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ ایک لڑکا اس کے گھر میں تیزی سے گھسا اور ہانپتی ہوئی آواز میں کہا کہ چاچی برجو ڈوب گیا!

کیا؟ برجیش کی ماں کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ دوڑتی ہوئی گھاٹ پر پہنچی، ابھی ندی میں چھلانگ لگانے والی تھی کہ وہاں موجود لوگوں نے اسے سنبھالا، اس کو تسلی دی کہ کاکی گھبرانے کی کوئی بات نہیں کچھ نوجوان اسے پانی میں تلاش کر رہے ہیں، جلد ہی اس کا پتہ لگ جائے گا۔ لیکن برجیش کی ماں چلاتی رہی۔ ہائے رے میرا لال، ہائے رے میرا لال، اس کی آواز اس قدر دردانگیز اور پرسوز تھی کہ وہاں موجود سبھی لوگوں کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ آخر کار وہ بے ہوش ہوگئی۔ نوجوانوں نے اسے چارپائی پر لے جا کر دیوان جی کے کشادہ

آنگن میں اسے لٹا دیا۔ گاؤں کی سبھی عورتیں اس کی چارپائی کے اردگرد بیٹھ گئیں، کوئی پنکھا جھلنے لگی، تو کوئی پانی سے اس کی پیشانی پر پٹیاں کرنے لگی۔ اسے بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔

ادھر برجیش کا جسم جھاڑیوں میں پھنسا ہوا مل گیا۔ نوجوانوں نے مل کر اسے نکالا اور اس کو پیٹ اور پشت کے بل چند بار لٹایا اور اسے خوب سہلایا، بہت سارا پانی اس کے منہ سے نکالا۔ اس کی سانسیں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں، گاؤں کے لوگوں نے فوراً گھر گھر سے چندہ اکٹھا کیا اور اس کو بیل گاڑی پر لٹا کر شہر کے اسپتال پہنچایا۔

ڈاکٹروں نے اسے چیک کیا، انجکشن لگایا تو وہ ہوش میں آیا، اپنے آپ کو اسپتال میں پاکر وہ تھوڑا گھبرایا لیکن گاؤں کے لوگوں کو پہچان کر وہ مطمئن ہو گیا۔

ڈاکٹروں نے دوائیاں دیں اور اسپتال سے چھٹی کردی۔

دیر رات وہ اپنے گاؤں کے لوگوں کے ساتھ بیل گاڑی کے ذریعے اپنے گھر پہنچا۔

برجیش کی ماں کو اس کے صحیح سلامت پہنچنے کی جوں ہی خبر ملی وہ فوراً اپنے گھر پہنچی۔ برجیش شرمندہ تھا، اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، اس کی ماں نے کئی بار بابو، بابو کی آواز لگائی تب اس نے گلوگیر آواز میں کہا، ہاں ماں۔

مرے لعل بھگوان کی کرپا سے تم بچ گئے، تم اس دنیا میں میرا واحد سہارا ہو اگر تم نہیں رہو گے تو میں کہاں جاؤں گی؟ اس کی ماں تقریباً رو دی۔

ماں ایسی بات نہ کہو، ماں غلطی مانتا ہوں لیکن دوبارہ غلطی کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا، بس میرے سر پر اپنا دست شفقت رکھ دو۔

جیسے اس کی ماں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا وہ اپنی ماں سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہ رونا خوشی کے سبب تھا۔

پیارے بچو! اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ کبھی ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے ورنہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

■

Shafiqur Rahman Siddiqui
Bansa, Post: Kurthi
Jafarpur- 275305
Distt: Mau (UP)

خرم عماد

کہانی

سزا یافتہ

تڑاخ... تڑاخ... تڑاخ... اور پھر سناٹا چھا گیا۔ یہ جغرافیہ کا گھنٹہ تھا جو مسعود سر پڑھاتے تھے۔ وہ ویسے تو نرم مزاج تھے مگر پڑھانے کے معاملے میں بہت سخت۔ بات یہ تھی کہ آج عمران نے ہوم ورک نہیں کیا تھا اور سمجھانے کے باوجود سمجھ نہیں رہا تھا۔ بس مسعود سر کو غصہ آ گیا اور انھوں نے عمران کو تھپڑ رسید کر دیے۔

مسعود سر عمران کو مارنا نہیں چاہتے تھے مگر وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ہونہار شاگرد کا پڑھائی سے دھیان ہٹ جائے۔ ایسی غلطی دوبارہ نہ ہو اس لیے انھوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی عمران کو سزا دی۔ شاگردوں کی اصلاح کرنا ہی تو اُستاد کا فرض ہوتا ہے لیکن عمران پر اس سزا کا غلط اثر ہوا۔ اس نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ مسعود سر اِس کے ساتھ ایسا رویہ اپنائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد جب اسکول چھوٹنے کی گھنٹی بج گئی تو عمران بوجھل قدموں سے کلاس روم سے باہر نکلا۔

''ارے یار! آج مسعود سر کو کیا ہوگیا کہ تیرے جیسے ذہین طالب علم کو پیٹ دیا۔'' ارشد کہنے لگا—

''ہاں یار! اللہ کرے مسعود سر اسکول نہ آئیں۔ انھیں کچھ ہو جائے۔''— اور پھر بات آئی گئی ہو گئی—

اِدھر کچھ دنوں سے مسعود سر اسکول نہیں آئے تھے۔ امتحانات قریب تھے اس لیے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ عمران بھی تن دہی سے پڑھائی میں مگن تھا لیکن ایک دن مسعود سر کا خیال آتے ہی اسے بجلی کا سا جھٹکا لگا اور وہ بے حس سا ہو گیا۔ جب حواس کچھ ٹھیک ہوئے تو وہ دوڑا دوڑا عظیم الدین سر کے پاس پہنچا۔ عظیم سر عمران کے قریبی رشتہ دار تھے اور مسعود سر کے بچپن کے دوست بھی— جب عمران نے اُن سے مسعود سر کی خیریت دریافت کی تو وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہے۔ پھر غمزدہ لہجے میں بتایا کہ دو دن پہلے مسعود صاحب ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گئے ہیں اور سرکاری اسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔

یہ سن کر عمران ایسے خاموش ہو گیا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ ارشد سے کہی ہوئی بات کا ایک ایک لفظ اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برسنے لگا، دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں، وہ اپنے آپ کو مسعود صاحب کا مجرم محسوس کرنے لگا۔

عمران جب دواخانے پہنچا تو مسعود صاحب کی حالت تشویش ناک تھی۔ خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے جسم کے کئی اعضا متاثر ہو گئے تھے۔ آج مسعود سر کا کوئی نہایت اہم آپریشن ہونا تھا۔ مسعود سر کے قریبی رشتہ دار آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑے تھے۔ تبھی ڈاکٹر صاحب آئے اور کہنے لگے ''دواخانے میں بی گروپ کا خون ختم ہو گیا ہے۔ فوراً انتظام کرنا ہوگا۔ کوئی بی گروپ کا ڈونر مل جائے تو کام بن جائے گا۔ کیا آپ میں سے کوئی بی گروپ سے ہے؟''

ڈاکٹر صاحب کی بات جیسے ہی عمران کے کانوں میں پڑی۔ وہ چونک پڑا کیونکہ اس کے خون کا گروپ بی تھا۔ وہ تقریباً چیخ پڑا— ''ڈاکٹر صاحب میرے خون کا گروپ بی ہے۔''

''بہت خوب— ادھر آئیے۔''

خون ڈونیٹ کرنے کے بعد عمران کو ایسا سکون اور اطمینان محسوس ہوا جیسے اس نے کسی گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہو—

■

Khurram Imad
'Saiban' Zubair Colony, Hagarga Cross,
Ring Road, Gulbarga - 585104 (Karnataka)

ثنا اسد

پاپا کی راہ پر

''پاپا مجھے ہی نہیں سارے خاندان کو آپ پر فخر ہے'' اور یہ کہہ کر اس نے پاپا کی قبر پر اپنے دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالنا شروع کی۔ اس کے چچا جان نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا ''حمید بیٹے گھبرانا نہیں ہم سب تمھارے ساتھ ہیں۔ تمھیں کوئی پریشانی نہیں ہونے دیں گے۔'' ہمدردی کے یہ الفاظ سن کر حمید کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔ جب گھر سے اس کے پاپا کا جنازہ نکلا تھا تو اس کی والدہ بے ہوش ہوگئی تھیں اور بڑی بہن فریدہ کا روتے روتے برا حال تھا وہ جنازہ کے ساتھ گھر سے باہر نکل رہی تھی لیکن اس کی چچیوں اور ممانیوں نے اسے تھام لیا تھا۔ ''حمید! تمھارے پاپا وحید احمد سرحد پر ملک کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے''۔ حمید کے دادا رشید احمد نے اسے گلے سے لگا کر نم آنکھوں کے ساتھ کہا تو حمید بھی سسک پڑا۔

پرسوں سرحد سے یہ اطلاع آئی تھی کہ دشمن کی گولیوں سے سپاہی وحید احمد ہندوستان کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوگئے ہیں۔ اس اطلاع سے ان کا سارا خاندان ہی نہیں بلکہ گاؤں بھی غم زدہ ہوگیا تھا۔ آج ان کا تابوت سرحد سے گاؤں میں آیا تھا۔ تابوت ترنگے جھنڈے اور پھولوں میں لپٹا ہوا تھا۔ گھر پر تابوت کو لا کر کھولا گیا۔ سب لوگوں نے ان کے گولیوں سے چھلنی چہرہ کو دیکھ کر افسوس کا اظہار بھی کیا اور ہندوستان کے دشمنوں سے بدلا لینے کا مطالبہ بھی کیا۔ یہ سب دیکھ کر حمید کا سر چکرا رہا تھا۔ کیا کیا خواب بُنے تھے اس کے بارے میں پاپا نے۔ وہ چاہتے تھے کہ حمید اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ملک وقوم کی خدمت کرے اور فوج میں وہ بھلے ہی سپاہی ہوں لیکن حمید فوجی افسر بنے۔ دراصل وحید کے پاپا ہی نہیں اس کے دادا بھی فوجی کے طور پر ہی ریٹائرڈ ہوئے تھے۔ اب وہ اپنی تھوڑی سی زمین پر کھیتی کرتے تھے اور اپنے پوتے پوتیوں اور خاندان کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے۔

اس کے پاپا کے تابوت کے ساتھ ہی اخبارات کے رپورٹر اور ٹی وی چینلوں کے نمائندے بھی بڑی تعداد میں آئے ہوئے تھے۔ وحید کے گھر اور اس کے خاندان والوں اور تابوت کی چلتی پھرتی تصویریں بار بار ٹی وی اسکرین پر آرہی تھیں۔ وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ، مقامی ممبر پارلیمنٹ، ممبر اسمبلی اور دیگر مقامی و غیر مقامی لیڈروں نے بھی وحید احمد کی شہادت کو سلام کیا تھا۔ حمید نے اس سال ہائی اسکول کا امتحان دیا تھا اور وہ پاس بھی ہوگئے تھے۔ اس لیے اب گیارہویں کلاس میں سائنس سائڈ لے کر وہ انجینئر بننے کا منصوبہ بنا رہے تھے لیکن پاپا کی موت نے ان کے سپنوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اب وہ آگے کیسے پڑھیں گے! ہر ماہ اس کے پاپا فیس اور اسکول میں تعلیم سے متعلق خرچوں کے لیے روپے بھیجا کرتے تھے۔ 15 سالہ حمید احمد اگرچہ غیر معمولی طالب علم تو نہیں ہیں لیکن انھوں نے فرسٹ ڈویژن سے ہائی اسکول پاس کیا تھا۔ اس لیے اسکول میں ٹیچر اور طلبہ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور

عزت بھی کیونکہ وہ ایک فوجی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔'اب میری پڑھائی کا خرچ کہاں سے آئے گا۔دادا کی تھوڑی سی پنشن ہے،کھیتی سے صرف گیہوں اور چاول مل جاتے ہیں۔گھر کا زیادہ بوجھ تو پاپا ہی اٹھاتے تھے'، یہ سوچ کر حمید احمد نے سر جھکا لیا۔یہ صحیح ہے کہ حمید کے پاپا کو پورے فوجی احترام کے ساتھ سلامی دی گئی،ان کے جلوس جنازہ میں جہاں تمام گاؤں والے تھے وہیں ضلع کے سرکاری افسران اور فوج کے سپاہی سے لے کر اعلیٰ افسران بھی سر جھکائے ہوئے چل رہے تھے۔سب نے میت کی تدفین کے بعد قبر پر پھولوں کے ہار چڑھائے تھے اور سلامی دی تھی۔سارے ہندوستان نے ہی نہیں بلکہ ساری دنیا نے ان کے پاپا کے جلوس جنازہ اور تدفین کے مناظر دیکھے تھے۔دوسرے شہر او ر دیہات سے بھی ہزاروں لوگ مرحوم وحید احمد کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے آئے تھے۔یہ سب دیکھ کر حمید کو جذباتی سکون بھی ملا کہ اس کے پاپا کو اتنی عزت اور شہرت حاصل ہوئی لیکن یہ سوچ کر وہ پھر غمگین ہو گئے کہ'پاپا کے سائے کے بغیر وہ کیسے آگے بڑھیں گے اور اپنے سپنوں کو پورا کریں گے۔پاپا جب سرحد سے گھر واپس آتے تو وہ میرے لیے کچھ نہ کچھ ضرور لاتے کبھی گھڑی،کبھی لیپ ٹاپ،کبھی کیمرہ پچھلے سال جب وہ آئے تھے تو میرے لیے وہ موبائل لے کر آئے تھے۔یہ سوچتے سوچتے حمید احمد کی آنکھیں پھر نم ہو گئیں۔اب وہ کبھی نہیں آئیں گے۔کیونکہ دنیا سے جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔

وحید کی امّی کو جب ہوش آیا تو روتے ہوئے انھوں نے اپنے لال کو اپنے پاس بلایا،گلے سے لگایا اور بولیں''حمید بس اب تم ہی میری زندگی کا سہارا ہو۔اور یہ کہہ کر وہ پھر سسکنے لگیں۔اپنی امّی کے گلے لگ کر حمید کو بھی بڑا اچھا لگا۔پاپا کے لاڈ پیار سے محروم بیٹے کے لیے ماں ہی تو سب کچھ ہوتی ہے۔وہ کئی منٹ تک اپنی امّی کی بانہوں میں رہے۔دونوں ماں بیٹے روتے بھی رہے۔دادی نے ہی اپنی بہو اور پوتے کو دلاسہ دیتے ہوئے ایک دوسرے سے الگ کیا کیونکہ گھر کے مردانے سے حمید کو بلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔دراصل فوج اور ضلع کے افسران ان سے ملنا چاہتے تھے۔جب حمید باہر مردانے میں گئے تو ایک فوجی افسر نے ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا''بیٹا آپ جہاں تک ایجوکیشن حاصل کریں گے اس کا تمام خرچ فوج برداشت کرے گی۔'' یہ کہہ کر انھوں نے دس لاکھ کا ایک چیک حمید کو دیا۔''یہ چیک آپ کی امّی کے نام ہے۔انھیں دے دیجیے۔''اس کے بعد ضلع مجسٹریٹ نے ریاستی حکومت کی جانب سے ایک 5 لاکھ کا چیک جو حمید کی امّی کے نام تھا حمید کو دیا اور کہا''ہم سب آپ کی ہمیشہ مدد کرتے رہیں گے۔''محبت کے یہ الفاظ سن کر ایک بار پھر حمید کی آنکھیں چھلک آئیں۔ٹی وی چینلوں اور اخبارات کے رپورٹروں نے یہ سب مناظر اپنے اپنے کیمروں میں قید کر لیے تھے۔ایک رپورٹر نے حمید سے مخاطب ہو کر پوچھا۔''اب آپ نے فیوچر (مستقبل) کے لیے کیا منصوبہ بنایا ہے؟''

حمید نے آنسو پونچھ کر بڑے عزم کے ساتھ جواب دیا۔ میں اپنی تعلیم پوری کرنے کے بعد پاپا کی راہ پر ہی چلوں گا اور فوج میں ہی بھرتی ہوں گا۔اس جواب کو سن کر سب لوگ جے ہند،وحید احمد زندہ باد کے نعرے لگانے لگے۔

■

Sana Asad
B-600 MIG Flats Loni Road
Delhi -110093

عظمت انیس

پیاری امی

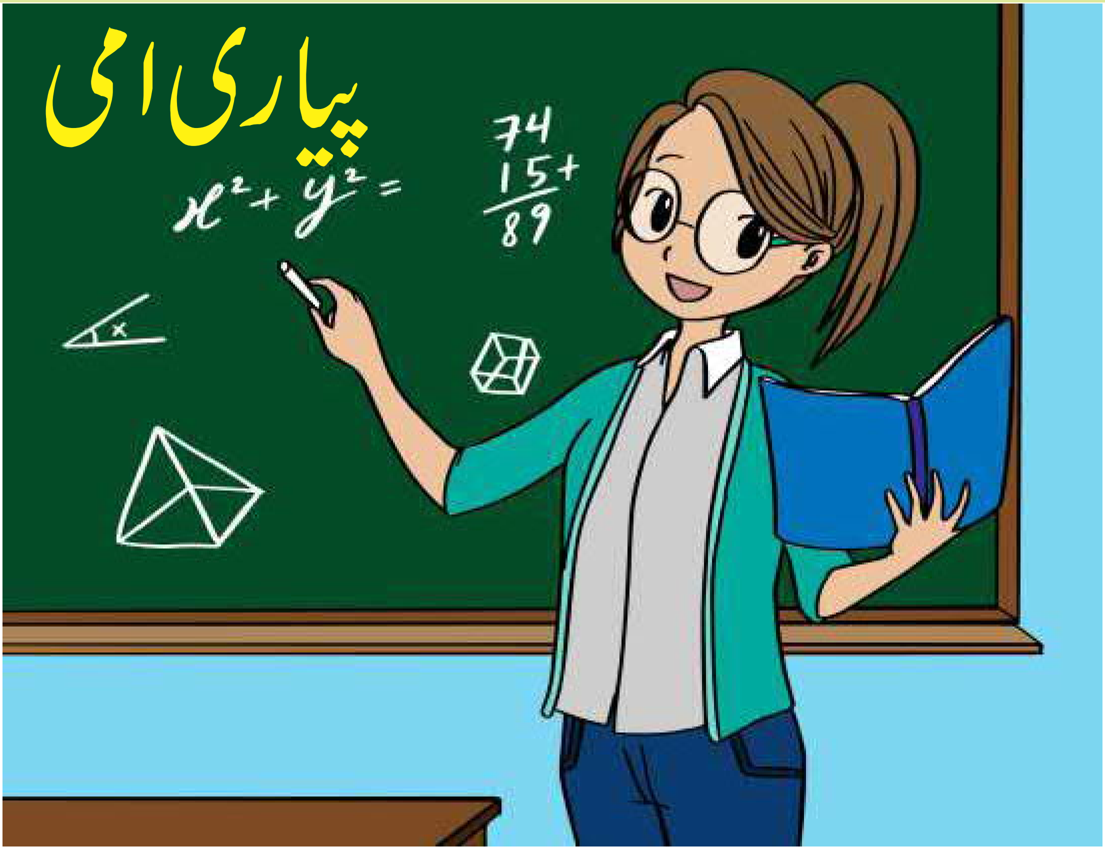

راحل کے لیے یہ اتفاق بے حد خوشگوار تھا کہ کوئی دو ماہ قبل امّی کی تقرری اُسی اسکول میں ہوئی تھی، جس میں وہ تیسری جماعت کا طالبِ علم تھا۔ اُس کی امی بہت ذہین تھیں۔ اُن کی علمی صلاحیت اور خوش اخلاقی سے اسکول کے پرنسپل، اساتذہ اور طلبہ بہت خوش تھے۔ جبکہ راحل صرف یہ سوچ کر خوش رہتا تھا کہ اپنی ٹیچر امی کی بدولت اب وہ امتحان میں جم کر چھپائی کرے گا اور ٹاپ کر کے کلاس کے سبھی بچوں کو پیچھے کر دے گا۔

راحِل نے یہ خوش فہمی کچھ اِس شدت سے پال رکھی تھی کہ اُس کا پڑھنے لکھنے سے جی اُچٹ گیا تھا۔ پڑھائی کے نام پر ٹائم پاس کرنے لگا۔ اُس کی یہ حرکت جب امی نے محسوس کی، تو اُنھوں نے راحل کو بہت سمجھایا کیا کہ پڑھائی سے جی چُرانا اور امتحان میں نقل بازی اپنے کیریئر سے کھلواڑ کرنے کے علاوہ اچھی تعلیم اور اخلاقی قدروں کے لیے نقصان دہ ہے۔ لہٰذا ہونہار طالب علموں کو چاہیے کہ وہ خوب دل لگا کر پڑھائی کریں اور امتحان وغیرہ میں دوسروں پر منحصر رہنے کی ذہنیت سے بچیں۔

راحل نے امی کی بات کو یہ سوچ کر سنجیدگی سے نہیں لیا کہ دنیا کی ہر ماں ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو سمجھانے کے نام پر کچھ بھی بول بک جاتی ہے۔ لیکن مشکل کی گھڑی میں صرف اور صرف ماں ہی کام آتی ہے۔

اس واقعے کے کچھ ہی دنوں بعد ششماہی امتحان شروع

ہوا۔ آج پہلا دن تھا۔ راحل امتحان مرکز میں پہنچ کر دل ہی دل میں 'امی زندہ باد' کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ سوالوں کے جواب حل کرانے میں امی اُس کی بھرپور مدد کریں گی۔لیکن یہ کیا؟ امتحان شروع ہوتے ہی اُس نے امی کی آنکھوں میں اپنے تئیں پیار کے بجائے بے رخی محسوس کی۔ وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

امتحان شروع ہو چکا تھا۔سبھی طالب علموں کو کاپیاں اور سوالنامے تقسیم کرنے کے بعد امی نے راحل کو اک نظر گھور کر دیکھا، پھر تمام بچوں کو سخت لہجے میں ہدایت کرنے لگیں،

'خبردار! اگر کسی بھی بچے نے ذرا سی بھی چیٹنگ کرنے کی کوشش کی ،تو اُسے امتحان دینے سے محروم کر دیا جائے گا۔'

راحل امی کے یہ تیور دیکھ کر حیران تھا۔لیکن پھر بھی وہ اپنی ماں کی ممتا سے پوری طرح مایوس نہیں ہوا تھا۔ اُس کا دل اب بھی کہہ رہا تھا کہ موقع محل دیکھ کر امی ضرور اُس کی مدد کریں گی۔ اس انتظار میں اُس کا آدھا گھنٹہ نکل گیا۔لیکن امی نے اُس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ ہاں ،نگرانی کرتی ہوئی جب وہ اُس کے قریب سے گزریں، تو اُس نے اشارے سے امی کی توجہ اپنی طرف کرانے کی بھرپور کوشش کی ،لیکن امی اُسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئیں۔

راحل کو امی کی اِس بے رخی پر بہت غصہ آیا۔ اُس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ بات بات میں اپنی ممتا نچھاور کرنے والی امی اُسے بیچ منجدھار میں چھوڑ دیں گی۔ سبھی سوال بڑے مشکل تھے۔لیکن امی ہر سوال کا جواب آسانی سے حل کروا سکتی تھیں۔ پر وہ ایسا کرنے سے صاف کترا رہی تھیں۔ راحل بہت مشکل سے کچھ ہی سوال حل کر پایا تھا۔ اپنی علمی لاچاری اور امی کی بیزاری کے سبب اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

امی اگر گھر میں ہوتیں تو راحل زور زور سے روتے ہوئے اُن کی بے رخی کا سبب پوچھتا۔لیکن شام سے پہلے اُن کا گھر پہنچنے کا سوال ہی نہیں تھا۔خود وہ بھی امتحان کے وقت سے پہلے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔اسکول میں ہو رہے امتحان کی ساری ذمے داری امی کو ہی سونپی گئی تھی۔

کسی طرح امتحان دے کر راحل وقت پر گھر پہنچ گیا تھا۔ لیکن امی اک آدھ گھنٹہ بعد آئیں۔جب وہ گھر میں داخل ہوئیں، تو راحل اُنہیں دیکھتے ہی منہ پھیر کر سُبکنے لگا۔امی دن بھر کی تھکن نظر انداز کر کے راحل کے قریب گئیں اور اُس کا سر سہلانے لگیں۔

راحل کچھ نہیں بولا۔صرف سبکتا رہا۔

'کیوں، شاید پیپر خراب جانے کا دکھ ہے تمھیں؟... تو اِس میں رونے کی کیا بات ہے۔بھئی تمھیں تو غصہ کرنے کے بجائے اپنی خامیوں کے بارے میں سوچنا چاہیے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ ششماہی امتحان ہے۔تم اب بھی آنکھ کھولو بیٹا۔ ایجوکیشن کو مذاق سمجھنے کے بجائے اِسے سنجیدگی سے لو، اور ذمے دار بنو۔تم ابھی سے جی لگا کر محنت کرنا شروع کر دو، تو سالانہ امتحان میں انشاءاللہ امتیازی مقام حاصل کرو گے۔'

'دیکھیے امی، میں آپ کی باتوں سے بالکل نہیں بہلنے والا۔آج میرا بھرم ٹوٹ گیا کہ آپ مجھے سچا پیار کرتی ہیں۔' راحل اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

'ایسا تم کیوں کہہ رہے ہو بیٹا؟' امی راحل کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

'اگر آپ کو مجھ سے سچا پیار ہوتا، تو امتحان میں ضرور میری مدد کرتیں۔لیکن آپ نے ایسا کچھ کرنے کے بجائے اُلٹے مجھے بھرے امتحان گاہ میں ڈانٹ دیا۔ٹھیک ہے کہ آپ بہت علم والی

اور ذہین ہیں۔ لیکن ایک ماں کی ایسی ذہانت کس کام کی، جو امتحان میں اُس کے بچے کے کام نہ آئے۔'

'تمھارا مطلب ہے، نقل سے منع کرنے والی ماں دوست، نہیں، دشمن ہوتی ہے؟'

راحل کچھ بولنے کے بجائے سٹپٹانے لگا۔ جبکہ امی اُس سے مخاطب تھیں، 'بیٹے میں خدا کی خدائی میں تمھیں جان سے زیادہ عزیز رکھنے والی ماں ہوں۔ لیکن میں اسکول میں دوسرے بچوں کی طرح تمھارے لیے بھی صرف ایک ٹیچر ہوں۔ خدا اگر کسی کو علم و ہنر سے نوازتا ہے، تو اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کا غلط فائدہ اٹھایا جائے۔ تعلیم اچھا عمل کرنے کے لیے حاصل کی جاتی ہے۔ نہ کہ بُرائی کو بڑھاوا دینے کے لیے۔'

'تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے طالب علمی کے زمانے میں تعلیم و تربیت کے معاملے میں کبھی بے ایمانی نہیں کی۔ میں نے جو کچھ بھی سیکھا، اُس کا تحریری، یا زبانی مظاہرہ اپنی خود کی حاصل شدہ علمی صلاحیت کی بدولت کیا۔'

راحل امی کی باتیں غور سے سننے سمجھنے لگا تھا۔

امی کہہ رہی تھیں، 'تعلیم و تربیت کے معاملے میں میرے والدین اُصول کے بڑے پابند اور سخت تھے۔ اِس معاملے میں کسی طرح کا سمجھوتہ نہیں کیا گیا۔ تمھارے نانا و نانی جان روزانہ مجھے پابندی سے پڑھایا کرتے تھے۔ باہر سے بھی ٹیوشن پڑھانے سر آتے تھے۔ اسکول کبھی ناغہ نہیں کرتی تھی۔ اس دوران بہت ساری دشواریاں پیش آئیں۔ کبھی کبھی سردی، گرمی اور برسات کی شدت کی مار، کبھی طبیعت خراب ہو جانا، تو کبھی کوئی اور مسئلہ۔ لیکن یقین مانو بیٹا، میں نے کبھی ہمت نہیں ہاری اور ہر حال میں اپنے مقصد پر قائم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میرے پاس جو کچھ بھی علم ہے، وہ میری ایمانداری کا پھل ہے۔

'ویسے راحل بُرا نہ مانو، تو ایک بات کہوں؟'

آٹھ سالہ راحل نے فوراً ہاں میں سر ہلایا۔

'بھئی تمھاری ناراضگی بالکل بے جا ہے۔ خفا تو مجھے ہونا چاہیے تھا۔

راحل خاموش رہا۔

'کیا یہ بات امتحان شروع ہونے سے کچھ روز پہلے میں نے تم کو نہیں سمجھائی تھی کہ نقل بازی اپنے کیریئر سے کھلواڑ کرنے کے علاوہ بہتر تعلیم اور اخلاقی قدروں کے لیے نقصاندہ ہے۔ لہٰذا ہونہار طالب علموں کو چاہیے کہ وہ خوب دل لگا کر پڑھائی کریں اور امتحان وغیرہ میں دوسروں پر مُنحصر رہنے کی ذہنیت سے بچیں۔

امی کی باتوں نے راحل کے دل پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ امی مزید کہہ رہی تھیں، 'یقیناً تم نے میری بات کو سنجیدگی

سے نہیں لیا۔ ورنہ تمھارا امتحان کبھی خراب نہیں جاتا اور نہ ہی مجھ سے ناراض ہونے کی نوبت پیش آتی۔ راحل تم خود سوچو، ایک سچی ماں اپنے بچے کو غلط تربیت کیسے دے سکتی ہے؟... ایسی ماں اپنے بچے کا فیل ہونا تو گوارہ کرسکتی ہے، لیکن نقل یا چوری جیسی بُری حرکت کبھی برداشت نہیں کرسکتی۔'

آج راحل پہلی بار امی کو اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا۔

امی مزید کہہ رہی تھیں، 'تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ نقل کرنا اور نقل کروانا، دونوں چوری ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ، تمھاری چیٹنگ کروا کے کیا ہم ماں بیٹے چور نہیں کہلاتے؟ تمہیں یہ بات ہر پل یاد رکھنی چاہیے کہ تمھاری بے عزتی میری بے عزتی ہے، اور میری بدنامی تمھاری بدنامی۔ میں پہلے بھی تم سے کہہ چکی ہوں کہ اسکول میں پڑھائی یا امتحان کے دوران میں صرف اور صرف ایک ٹیچر ہوا کرتی ہوں۔ امتحان میں تمھاری مدد کر کے کیا میں دوسرے بچوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتی؟'

امی کی باتوں سے راحل کافی متاثر ہوا۔ وہ دیر تک امی کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھوں سے عقیدت کے آنسو چھلکنے لگے۔ اس پر امی نے مچل کر راحل کو گود میں چمٹا لیا، پھر اُس کے چہرے کا بوسہ لیتے ہوئے بولیں، 'مجھے پتا ہے، تم بُرے نہیں ہو، صرف نادان ہو۔ میرے خیال سے یہ بُری عادت ضرور تم نے گندے دوستوں سے سیکھی ہے۔ توبہ کرو، آئندہ ایسے بچوں سے دور رہنا۔'

' راحل بولا: 'جی ضرور۔ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں امی۔ آپ نے بہت اچھی باتیں کہیں۔ واقعی، آپ صرف ذہین ہی نہیں، عظیم بھی ہیں۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں، میں بھی اچھا انسان بن کر

آپ کا اور پاپا کا نام روشن کروں گا۔' راحل نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

امی نے آمین کہا اور راحل سے پھر مخاطب ہوئیں، 'چلو تمھارا یہ چھ ماہی امتحان ٹھیک نہیں جا سکے گا، کوئی بات نہیں۔ ابھی سالانہ امتحان میں کافی وقت ہے۔ تم خوب دل لگا کر پڑھو۔ میں اور پاپا تمھارے ہر اچھے کام میں تمھارے ساتھ رہے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ اور ہاں، یہ بات سدا یاد رہے کہ کوئی بھی کامیابی حاصل کرنے کے لیے انسان کو اپنے آپ پر بھروسہ رکھنا بے حد ضروری ہے۔

'جی امی، میں آپ کی بات سمجھ گیا۔' راحل فرماں بردار بچے کی طرح بولا۔

'تو اب بتاؤ راحل، کیا میں واقعی تمھاری سچی ماں نہیں ہوں؟'

جواب میں راحل امی سے لپٹ گیا اور بُد بُدانے لگا، 'میری پیاری امی... میری گریٹ ٹیچر امی۔'

■

Azmat Anis C/o Maqbool Ahmad
Kolhwa Paighamberpur,
Shiyatoli, Post-Kolhwa, Via- Kalwari
Distt: Muzaffarpur - 843108 (Bihar)

چوتھی قسط

زمین

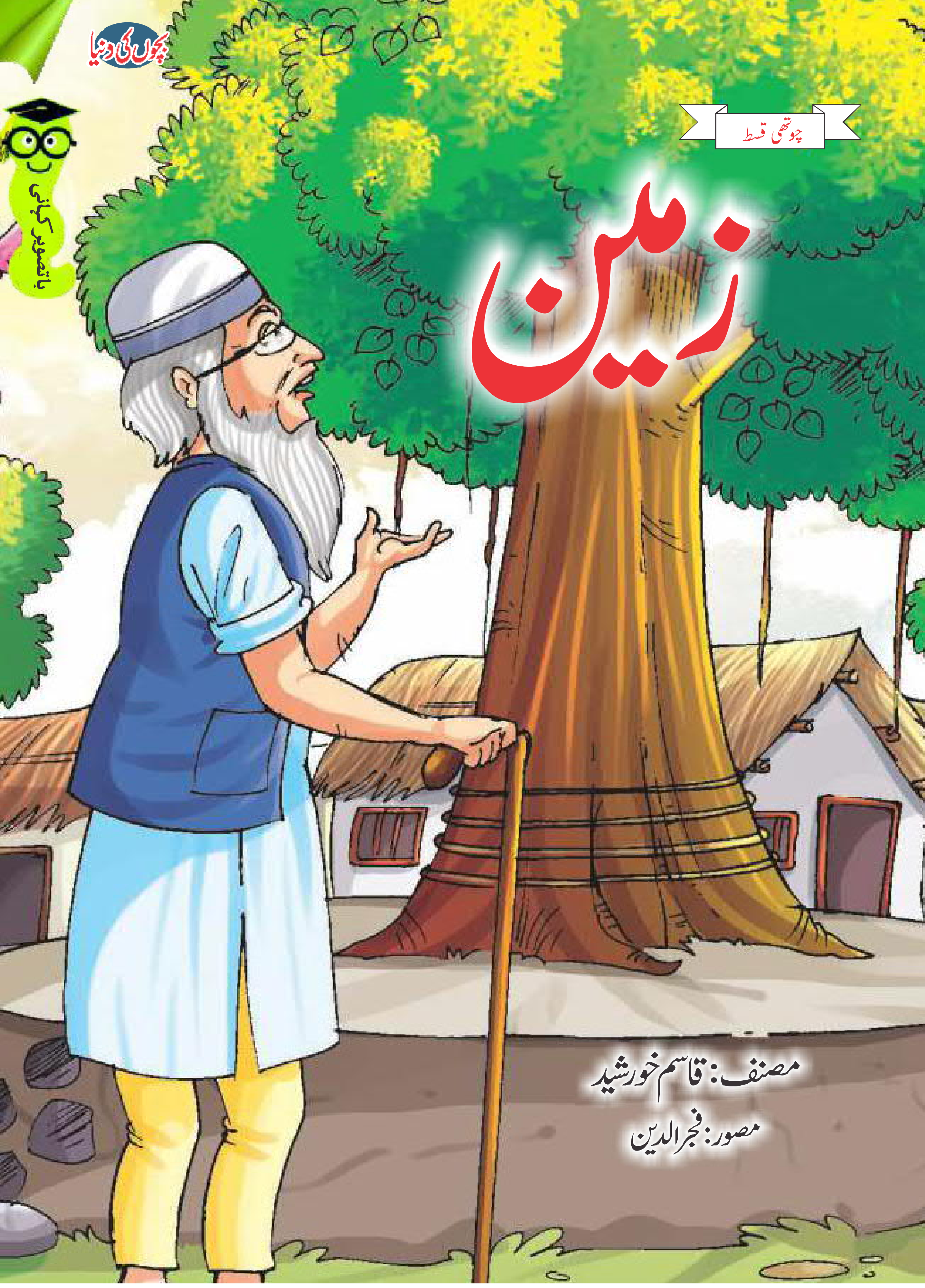

مصنف: قاسم خورشید

مصور: فخرالدین

نتھنی نے غور سے رمضانی میاں کو دیکھا۔ ’ای تم کا بکے جا رہے ہو؟‘

’نتھنی! میرے بیٹوں نے مجھے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ چین سے مرنے بھی نہیں دیں گے۔ کہتے ہیں کہ اس زمین کو جوت ڈالوں۔ بولو ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ اس لیے میں نے بہت سوچ وچار کر اپنی یہ زمین گاؤں کی پنچایت کے نام کرتے ہوئے وصیت کر دی ہے کہ اس درخت کو جیسے بھی ہو بچایا جائے، چوپال یہیں ہوتی رہے۔ شام میں گاؤں کے بچے یہاں پر کھیلا کریں۔ اپنے لیے صرف یہ وصیت کی ہے کہ جہاں اس درخت کی شاخیں زمین کو چھونے کی کوشش کر رہی ہیں وہیں کہیں

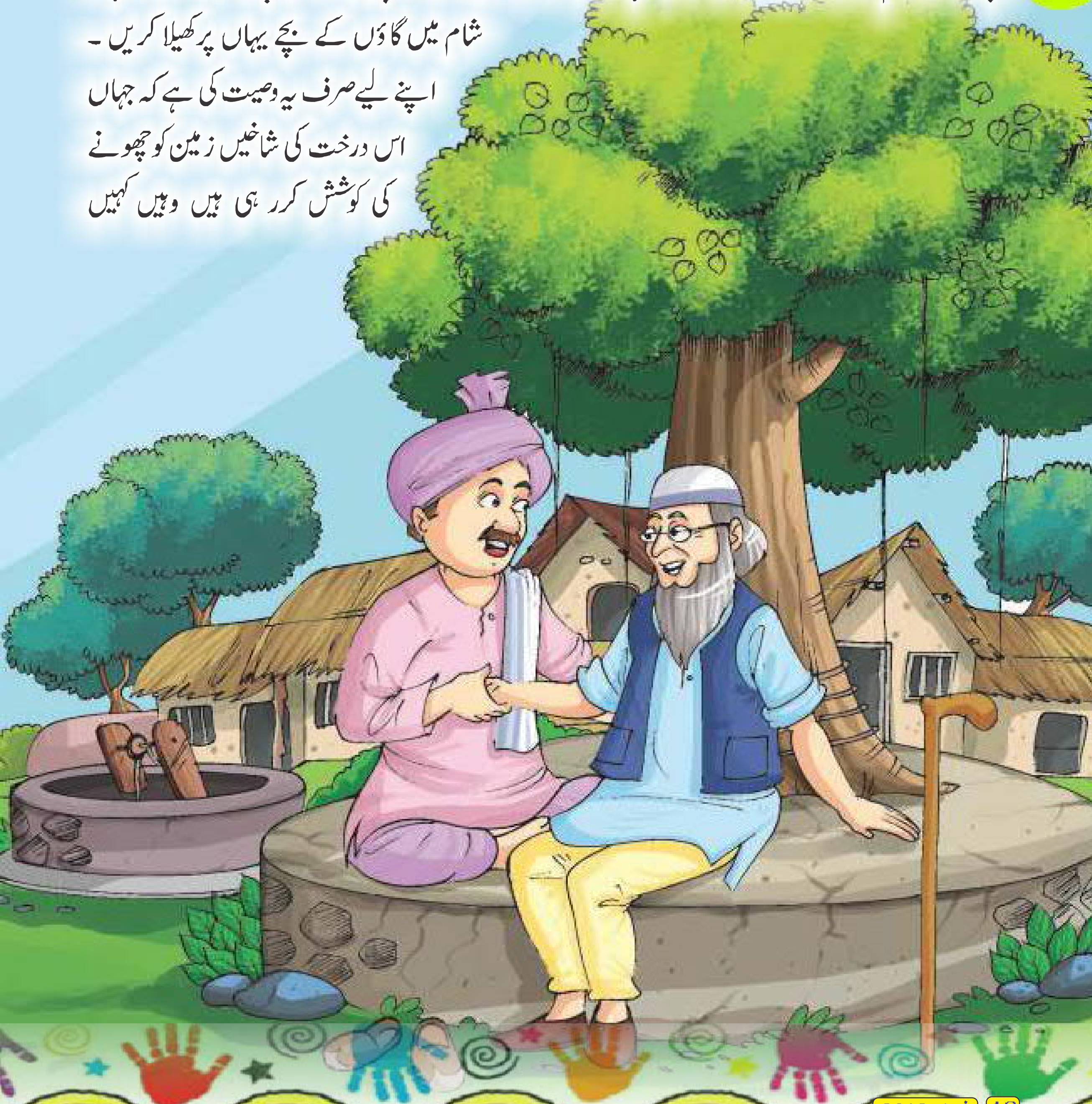

میرے مرنے کے بعد مجھے دفنایا جائے، میری قبر بنائی جائے، لیکن کبھی اس گارا یا سمینٹ ڈال کر پختہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ دھیرے دھیرے اسے زمین کی سطح بننے دیا جائے۔'

ننھی رام یہ سن کر سنّاٹے میں آ گئے۔ پھر انھوں نے غور سے رمضانی کو دیکھا۔ دیر تک دیکھتے ہی رہے۔ ان کے اندر بھاونائیں تو بہت ابل رہی تھیں لیکن شبد ان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

جب کچھ بھی نہیں کہہ پائے تو زور سے شیخ رمضانی کا ہاتھ تھام لیا۔

دوسرے روز شیخ رمضانی کئی مزدوروں کے ساتھ پوکھر کے پاس والی اپنی بنجر زمین کو کھودنے کی کوشش میں لگے تھے۔ گھر میں بیٹے

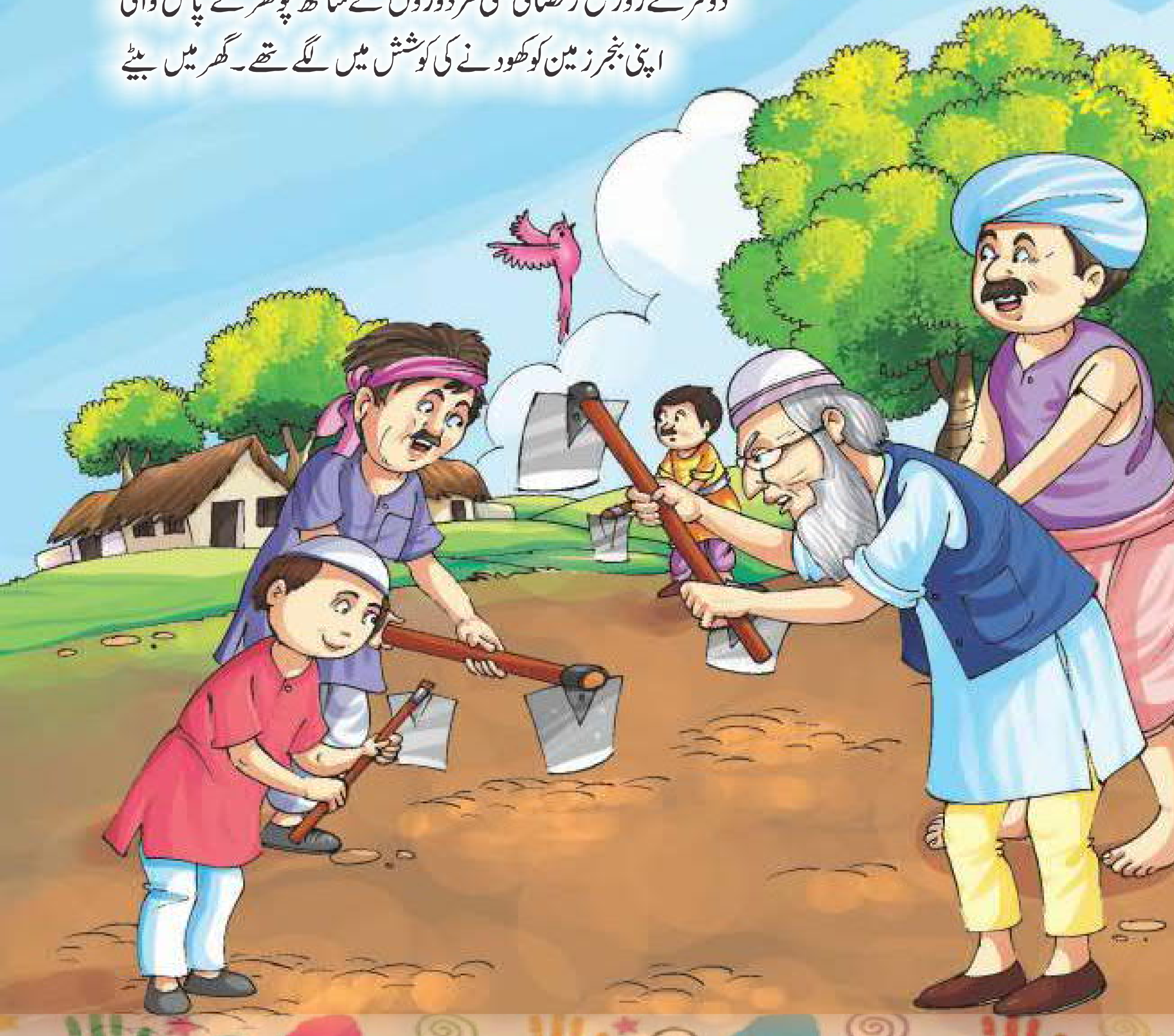

انھیں پاگل سمجھ رہے تھے لیکن شیخ رمضانی کا پوتا مُنّو ان کے کام میں ہاتھ بٹاتا ہوا نظر آیا۔ کئی دنوں پھر کئی مہینوں کی محنت کے بعد ایک روز ایسا ہوا کہ اس بنجر زمین پر بھرپور فصل ہوئی اناج کھلیان میں لے جایا گیا تو شیخ رمضانی کے بیٹوں کو یقین نہیں ہوا کہ اچانک ہم اتنے خوشحال کیسے ہوگئے۔ اس روز برسوں بعد دونوں بہت خوش نظر آئے۔ گھر لوٹے تو پتہ چلا کہ ابا گھر میں نہیں ہیں۔ دونوں بیٹے

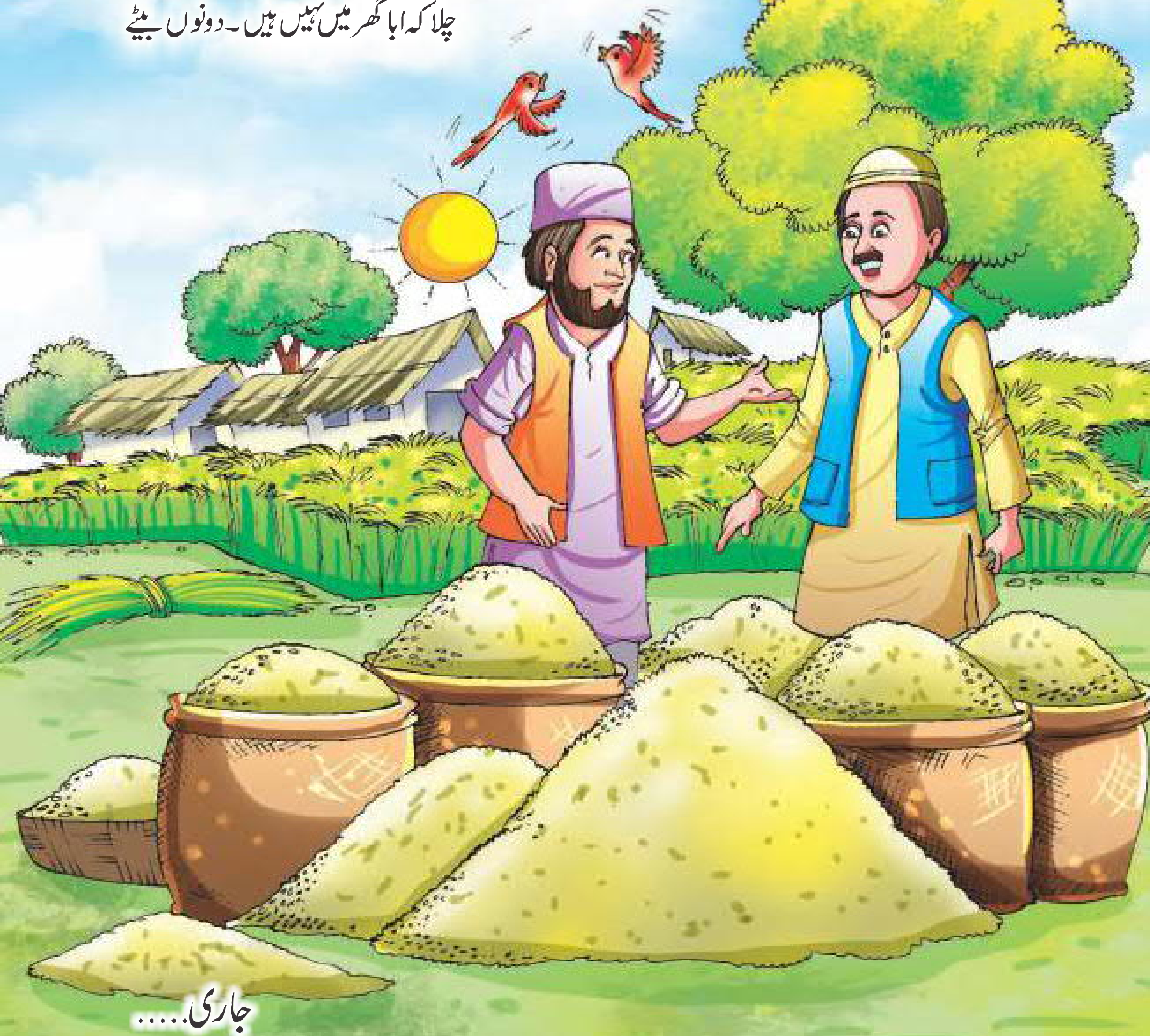

جاری.....

پانچویں قسط

شہر میں ایک جنگل

مصنف: کمارن ست سیوم
مترجم: عباس آصف

پیارے دوستو! آپ نے بچوں کی دنیا میں کئی اچھے اور مشہور ناولوں کو پڑھا ہے۔ 'شہر میں ایک جنگل' جنگلوں کی دنیا، پیڑ پودوں اور مختلف حشرات الارض کی معلومات پر مبنی ایک دلچسپ سلسلہ ہے جس کے مصنف کمارن ستیہ سیوم ہیں جو ماحولیات اور جنگلاتی زندگیوں پر لکھتے رہے ہیں۔ ان کی کتاب میرین میمل آف انڈیا بھی کافی مقبول ہوئی تھی۔ انہوں نے 1990 میں یہ کتاب Forest in the City لکھی تھی۔ اِس کتاب کو ماحولیات پر بچوں کے لیے لکھی کتابوں پر پہلا انعام بھی دیا گیا تھا۔ کمارن ستیہ سیوم آئی آئی ٹی مدراس (چنئی) میں سات برسوں تک رہے تھے۔ آئی آئی ٹی اس وقت 600 ایکڑ سے بھی زیادہ کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور زیادہ تر گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا۔ کمارن ستیہ سیوم نے ان جنگلوں میں مختلف تجربات کیے تھے اور ان تجربات کو ہی کتابی شکل دی تھی جسے 'بچوں کی دنیا' میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

تاریک ترین افریقہ

جھیل کے ایک طرف جنگلات تھے اور ایک حصے میں کیمپس کے احاطے کی دیوار تھی اور تکونے کے تیسری طرف گھنا جنگل تھا۔ جنگل کے اس حصے میں انسانوں کا بہت کم گزر تھا۔ یہاں برگد، تاڑ، تیز پات، انجیر، کیکر اور اسی طرح دوسرے درخت تھے۔ نیچے کے حصے میں بہت گھنی جھاڑیاں تھیں اور ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ کچھ اس وجہ سے اور دوسری طرف اس وجہ سے بھی کہ ہم یہاں بہت سی چیزوں کو بے نقاب کرنا چاہتے تھے ہم نے اس جنگل کو تاریک ترین افریقہ کا نام دیا۔ یہ علاقہ اس بات کا اعلان کررہا تھا کہ ہم ایک تاریک ترین حصے میں داخل ہورہے ہیں۔ وہاں برگد اور قدآور درختوں کا سلسلہ تھا اور جنگل کے کنارے ایک ایسا درخت تھا جو کئی درختوں کا ایک جھنڈ معلوم ہوتا تھا۔ یہ درخت اتنا لمبا تھا کہ اس نے پورے علاقے کو اپنی پتے دار شاخوں سے بالکل تاریک بنا دیا تھا۔ اس کی شاخوں سے اس کی جڑیں (داڑھی) لٹکی ہوئی تھیں جو زمین میں دھنس کر درخت کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ دوسری شاخیں سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی یا تاروں جیسی لٹکی ہوئی تھیں۔ اس درخت کا خاص تنا چھوٹی چھوٹی جڑوں سے لپٹا ہوا تھا جو زمین سے جاملا تھا اور تاریکی کی وجہ سے نظروں سے اوجھل تھا۔

تھیوسوفیکل سوسائٹی، آئی آئی ٹی سے زیادہ دور نہیں تھی ہم نے مشہور و معروف برگد کا درخت دیکھا جسے ہندوستان میں سب سے لمبا درخت کہا جاتا ہے۔ اس درخت نے کافی علاقے کو گھیر رکھا تھا۔ ہم نے اندازہ لگایا کہ تاریک ترین افریقہ کے اس برگد کے درخت کی لمبائی شاخوں اور پتوں کی وجہ سے زیادہ محسوس ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ اپنے پاس کے درختوں سے زیادہ گھنا لگتا ہے یقینی طور سے یہ اس علاقے کا سب سے پرانا درخت ہے۔

جھیل کے پاس مندر میں برگد کا درخت دیکھنے کے لیے بہت سارے لوگ آتے رہتے ہیں۔ بچے اس کی جڑوں میں جھولنا پسند کرتے ہیں اور خوشی سے آوازیں نکالتے ہیں۔ عام انسان ان جھاڑیوں میں جو درختوں کی جڑوں میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں آنا پسند نہیں کرتا ہے۔ منصوبہ بندی کرنے والوں کی ایک جماعت نے یہاں پر کوڑا کرکٹ بھی جمع کر دیا تھا جو جنگل کے ٹھیک بیچ میں پڑا ہوا تھا۔ شاید اس کا یہی مقصد ہو کہ اس سے چلنے کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔

خوش قسمتی سے کوڑے کا پڑنا جلدی بند ہو گیا لیکن شیشے کی بوتلیں ٹوٹے ہوئے چپل ناکارہ واش بیسن اور فوم کی پیکنگ جنگل کے فرش پر ہر طرف نظر آتی تھیں جو اس بات کا ثبوت تھیں کہ پاس ہی کہیں آبادی ضرور ہے جب تک انھیں وہاں سے ہٹایا نہ جائے انسانی تہذیب کی نشانیاں وہاں باقی رہیں گی جو خوبصورت جنگل کو خراب کرتی رہیں گی۔ اس ڈھیر کے پاس ہی ہمیں اپنی ریسرچ کرنی تھی اور یہ ڈھیر ہمیں جنگل کے اندرونی حصے میں جانے سے نہ روک سکا۔

ہم آگے بڑھتے رہے اور ایک تاریک اور سنسان مقام پر پہنچ گئے۔ تاریک ترین افریقہ میں چڑیاں بھی کسی طرح کی آواز نہیں نکال رہی تھیں۔ اس مقام پر کھوج کرنے والوں کو بھی خاموشی اختیار کرنی پڑتی تھی تاکہ وہاں کے رہنے والے چرند اور پرند کو سمجھ سکیں۔ یہاں کے پرندوں کی زندگی کی ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ درخت کے سب سے اوپر پتوں کی آڑ میں رہتے تھے جس کی وجہ سے ہمارے لیے انھیں دیکھنا بہت مشکل ہو گیا۔ ان پرندوں کو دیکھنے کے لیے متواتر سر اونچا کر کے غور سے دیکھنا پڑتا تھا اور پتیوں اور کھلے ہوئے حصے میں انھیں تلاش کرنا پڑتا تھا۔ روشنی کے مقابلے میں اس تاریکی میں دیکھنے سے ہماری آنکھوں اور گردنوں پر بہت زور پڑا لیکن صبر کا پھل ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔

ہماری خوش قسمتی تھی کہ جنگل کے اندر جانے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی ہمیں ہمیشہ ہرن سموں کے نشان رہنمائی کے لیے ملتے رہتے تھے۔ تاریک ترین افریقہ میں ہم نے کچھ دلچسپ جانوروں کو بھی دیکھا۔ سب سے پہلی چڑیا جو ہم نے اس سفر کے دوران دیکھی کوئل (Coukal) تھی جو زمین پر تھرکتی پھرتی تھی کیونکہ یہ بالکل خاموش رہتی ہے لہٰذا آسانی سے پودوں کے درمیان چھپی رہتی ہے لیکن تھوڑی سی بھی کوشش کرنے سے اسے دیکھا جا سکتا ہے مجھے تعجب تھا کہ اس کوئل کو جنگل میں کیا کشش نظر آتی ہے۔

آگے بڑھنے پر ہم نے دو طرح کی نئی چڑیاں دیکھیں۔

مثال کے طور پر جاڑوں میں ترغہ اور پِتّا (Pitta)، دو چڑیاں تھیں جو زمین پر اچھلتی پھرتی ہیں۔ شام کو یا آسمان میں بادل چھانے پر یہ چڑیاں گھنی جھاڑیوں سے کو کنا شروع کرتی ہیں۔ پتا کی دوہری سیٹی دور سے سنی جاسکتی ہے۔ جہاں بھی ہم کھڑے ہوتے تھے ہمیں یہ چڑیاں نظر نہیں آتی تھیں بلکہ ان کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔ نارنجی سروالی زمینی 'ترغہ' (Thrush) 'پتا' کے ساتھ آواز ملاتی تھی اور دونوں چڑیوں کی آوازیں ایک ساتھ نکلتی تھیں۔

پتا ایک رنگین چڑیا ہوتی ہے جس کا اوپری حصہ ہرا، نیلا، کالا اور سفید ہوتا ہے اور نیچے سے نارنجی، سرخ اور سفید ہوتا ہے۔ یہ عام مینا کے برابر ہوتی ہے اور ایک زمینی چڑیا ہے جو جنگل کے علاقے میں زمین پر تھرکتی پھرتی ہے یہ کیڑے مکوڑے کھاتی ہے جو سوکھی پتیوں کو ہٹانے سے یا زمین کو کھودنے سے مل جاتے ہیں۔

نارنجی سروالی یہ زمینی ترغا کبھی پتا سے کوئی قربت نہیں رکھتی لیکن ان کی شکل اور غذائی عادتیں ایک سی ہوتی ہیں۔ ایک ہی علاقے میں رہنے کی وجہ سے ان کی عادتیں بھی ایک سی ہوتی ہیں۔ پتا کی طرح ترغہ کی بھی چھوٹی دم ہوتی ہے اور سر، گردن اور نیچے کے حصے زردی مائل بھورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ اوپر کا باقی حصہ سلیٹی، نیلاہٹ لیے ہوتا ہے اور ان رنگوں کی وجہ سے وہ سنجیدہ اور خوشگوار چڑیا سمجھی جاتی ہے یہ جاڑوں میں جنوبی ہندوستان اور سری لنکا کے علاقوں میں وقت گزارنے آتی ہے۔ اس کی دوسری نسل بھی ہے جس کے گلے کے اوپر سفید پر ہوتے ہیں جو ہمارے ملک کے ساحلی علاقے میں پائی جاتی ہے اور گنڈی پارک میں بھی دیکھی جاسکتی ہے لیکن کافی تلاش کے بعد بھی ہم اسے آئی آئی ٹی میں نہیں بھیج سکے۔

مدراس نیچرلسٹ سوسائٹی میں ہمیں وہاں کے ایک ممبر سے متعارف کرایا گیا جس کا نام سنتھا رام بھٹ تھا۔ چڑیوں کے سلسلے میں سنتھا رام کی معلومات اور تجربہ حد سے بڑھ گیا ہے۔ وہ بہ آسانی ہر سوال کا جواب دیتے اور اسی کے ساتھ ہماری معلومات میں مزید اضافہ بھی کرتے تھے۔ ہم چڑیوں کو دیکھنے کی مہم پر اور سنتھا رام جی کے ساتھ چند مرتبہ ہی گئے لیکن چڑیوں کی پہچان اور ان کی آوازوں کی شناخت کے لیے ان کی ذاتی لیاقت سے ہم حد درجہ متاثر ہوئے۔ اگر وہ یقین کے ساتھ کہتے تھے تو ہمیں انھیں سمجھنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ جوزف اور میں نے طے کرلیا کہ تاریک ترین افریقہ کے جنگلوں میں رات کو جا کر دیکھیں۔ اس وقت ہمیں ابابیل (Night Jar) کو دیکھنے کا شوق تھا۔ سنتھا رام نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ہمیں اس جنگل میں مل جائیں گی لیکن ہم ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے۔ ابابیل کے علاوہ رات کے سفر سے ہمیں

دوسرے رات میں پائے جانے والے پرندوں کا سامنا ہونے کی امید تھی اگر تقدیر ہمارا ساتھ دے تو ہم کسی نایاب مخلوق جیسے پینگولین(Pangolin)یا اسکیلی اینٹیٹر (Scaly Anteater) کو دیکھ سکتے تھے جو گنڈی پارک میں دیکھی جا چکی ہیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ہمیں نئی نسل کی کوئی چڑیا نظر آ جائے۔

پورے جوش و خروش کے ساتھ اور ٹارچیں اپنے ہاتھوں میں لے کر ہم جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ہوسٹل سے پیدل ہی چلے، تاریک اور خاموش اسٹیڈیم کو پار کیا۔ رات بہت تاریک تھی۔ جوزف جسے چٹانوں پر چڑھنے کا بہت شوق تھا ایک پہاڑی علاقے میں جا چکا تھا اسے یاد آیا کہ وہ اور اس کے ساتھی جنگل میں کتنے خوف زدہ تھے۔ اپنے خوف کو دور کرنے کے لیے انھوں نے گانا اور چلانا شروع کر دیا تھا لیکن بدقسمتی سے شور و غل کا ان کے احساسات پر الٹا اثر ہوا ان کی آوازوں نے اس سنسان علاقے کو گونج میں تبدیل کر دیا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خوف کی وجہ سے چلا رہے ہوں۔ اس واقعے سے ہمیں سبق ملا کہ ہم خاموش رہیں۔ جب ہم مندر اور بڑے برگد کے درخت کے پاس پہنچے تو ہم زیادہ ہراساں تھے۔

میں نے ٹارچ روشن کی تا کہ سبزہ زار پر اس کا اثر دیکھ سکوں۔ روشنی کی شعاع نے تاریکی دور کی اور پاس ہی چلتا ہوا ایک ہرن چونک کر عجیب و غریب آوازیں نکالنے لگا۔ اس سے ہم ڈر کر اچھل پڑے۔ ہمارا خوف اس وقت اور بڑھ گیا جب تلاش کے باوجود ہمیں نہ ہرن دکھائی دیا اور نہ اس آواز کا کوئی اور سبب معلوم ہو سکا۔

ہم برگد کے درخت کے گھنے تنے کے پاس گئے اور پتیوں پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر رات کے اندھیرے جنگل میں چرند و پرند کو تلاش کرنے لگے۔ ہماری ٹارچ اتنی روشن نہیں تھی کہ برگد کے چاروں طرف روشنی پھیلا سکے لیکن ایسی ضرور تھی کہ ہم رسی کی طرح لٹکی ہوئی جڑوں کو لٹکتے ہوئے دیکھ سکتے تھے، جو عجیب و غریب انداز سے لٹک رہی تھیں۔ ہمیں خاموش ماحول میں ایسا لگا جیسے چاروں طرف سے خاموش آنکھیں ہمیں گھور رہی ہوں۔ خوف کو اپنے دل میں جگہ نہ دیتے ہوئے ہم خاموش رات میں آگے بڑھ گئے تا کہ ان جانوروں کو تلاش کر سکیں جن سے ہمیں دلچسپی تھی جیسے کالے بچھو جو اکثر و بیشتر سڑکوں یا عمارتوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

اچانک ہم نے ایک چھوٹا سا تالاب دیکھا جس میں کالا رقیق مادہ تھا اور اس میں ہزاروں مرجھائی ہوئی پتیاں پڑی تھیں۔ ہمارے ذہن میں ایک دم سے خون کا احساس بھڑکا اور ایک دوسرے کی جانب خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور بغیر اوپر شاخوں کی جانب دیکھے ہوئے ہم واپس مڑے اور ہوسٹل کا رخ کیا۔ ہمیں ڈر تھا کہ وہاں نہ معلوم کیا دیکھنے کو ملے۔ ہوسٹل میں پہنچ کر ہی ہم نے یہ سوچنا شروع کیا کہ وہاں پر خون کہاں سے آیا! وہاں کسی طرح کی قربانی دی گئی تھی یا کسی اور طرح کا خون تھا۔

جوزف کی حاضر دماغی نے اتنا ضرور کیا تھا کہ وہ ایک خشک پتی جس پر اس مادے کے دھبے موجود تھے ساتھ لے آیا تھا اور لیمپ کی تیز روشنی میں وہ یقینی طور سے خون کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ ہم نے طے کیا کہ دن کی روشنی میں اس جگہ پر پھر جائیں گے۔

اس گتھی کا حل عجیب و غریب تھا جس جگہ خون نظر آیا وہاں ایک شاخ ٹوٹی ہوئی تھی جس سے یہ کالا مادہ رس رس کر کچھ وقفے کے بعد زمین پر گر رہا تھا۔ کیمپس کے اندر ایک بڑا اور اونچا پانی کا ٹینک تھا۔ یہ ہمارے لیے متواتر حیرانی اور کشش کا سبب تھا۔ ایک دن ہم نے اس پر چڑھنے کی کوشش کی۔ جوزف

آگے آگے چلا یہ پانی کا ٹینک مخروط شکل کا تھا۔ جو ایک کھوکھلے ستون پر کھڑا تھا۔ ٹینک کو روکنے کے لیے اسٹیل کی ایک سیڑھی اس سے بندھی ہوئی تھی البتہ چڑھنے والے کے لیے کوئی حفاظت کا انتظام نہیں تھا۔

پہلے جوزف اوپر پہنچا۔ سیڑھی کے بیچ میں وہ ٹھہر گیا تا کہ کنکریٹ میں ایک شگاف کا سبب معلوم ہو سکے۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھا اور چوٹی کے پاس پہنچ کر کہا کہ اس گھنی ٹیوب نما چیز کے درمیان کنکریٹ کی ایک پٹی ہے جو اسے روکنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جس وقت وہ یہ بات کہہ رہا تھا دو سفید چڑیاں بڑی خاموشی سے آئیں اور ایک بل میں داخل ہو گئیں۔ یہ ایک قسم کے الو تھے جو دیکھنے میں صحت مند اور خوبصورت نظر آتے تھے جن کے سفید اور دل کی شکل کے چہرے تھے۔ ظاہر تھا کہ یہ چڑیاں ٹینک کے اندر رہتی تھیں جسے وہ دن میں سونے کے کام میں لاتی تھیں۔

تھوڑی دیر میں میں بھی جوزف کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں پر الو کا بچا ہوا کھانا پڑا تھا جس میں ہڈیاں اور چوہوں کی کھال وغیرہ تھی اس کے پاس ہی ایک دوسری اسٹیل کی سیڑھی تھی جو قدرے چھوٹی تھی اور اوپر جاتے ہوئے ایک پائپ اس کے بیچ میں سے گزرتا تھا جو اس قیف نما تالاب کے بیچ میں تھا۔ اس پر چڑھ کر ہم ٹینک کے خاص بیچ میں پانی کی سطح سے کچھ اوپر پہنچ گئے۔ ہمارے چاروں طرف ایک انگوٹھی کی شکل میں پانی تھا اور چونکہ ٹینک اوپر سے ڈھکا ہوا تھا اس لیے اس کے اندر ہوا کا گزر نہ تھا اور مدراس سے زیادہ گرمی تھی وہاں پر ایک تیسری سیڑھی تھی جس پر چڑھ کر ہم ٹینک کے باہر چھت پر پہنچ گئے۔

ٹینک کے اوپر سے بہت اچھا منظر نظر آتا تھا۔ دور نیچے کی طرف ہم لوگوں کو کام پر جاتے ہوئے دیکھ سکتے تھے جو چھوٹے چھوٹے بونے نظر آتے تھے۔ ہم کیمپس کی حدود کو دیکھ سکتے تھے۔ گنڈی پارک ہماری نظروں کے سامنے تھا اور اس سے ملا ہوا راج بھون بھی اچھی طرح نظر آتا تھا۔ مدراس کے شہر کی دوسری بہت سی چیزیں جیسے لائٹ ہاؤس اور ٹی وی ٹاور نظروں کے سامنے تھا۔ دور ہم سمندر دیکھ سکتے تھے جس میں بندرگاہ کے باہر جہاز لنگر انداز تھے۔

ٹینک کی چھت پر جنگلہ تھا لیکن وہاں کھڑا ہونا محفوظ نہیں لگتا تھا کیونکہ چھت نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ تاریک ترین افریقہ کا جنگل ہم نے اتنی مرتبہ نہیں دیکھا تھا جتنی مرتبہ تالاب یا قرب و جوار کے جنگل دیکھے تھے کیونکہ وہاں پر تاریکی کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ پھر بھی ذائقہ بدلنے کے لیے ہم اس علاقے کی جھاڑ جھنکاڑ دیکھ سکتے تھے۔ جبکہ جھیل کے چاروں طرف کا راستہ کانٹوں بھرا تھا۔ جب ہم افریقہ گئے تو ہمیں امید تھی ہمیں خاص مناظر دیکھنے کو ملیں گے بشرطیکہ ہم اس بات کی جدوجہد کریں۔ ایک دن ہم نے مکھی پکڑنے والی چڑیا کو دیکھا جو جھاڑی میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔ دوسرے موقعے پر ہندوستانی کوئل دیکھی جو ایک نیچی شاخ پر بیٹھی ہوئی تھی اور ہمیں اس کا کافی دیر تک مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ ایک اور دن ہم نے سرخ پروں والی کوئل دیکھی۔ کبھی کبھی ہمیں ایسی نایاب چیزیں نظر آتی تھیں جیسے کالے سر والی کوئل جو ہمیں گھنے درختوں پر بیٹھی ملتی ہے شکاری چڑیا (Raptors) ریپٹرس کو بھی ہم نے دیکھا اور ان کی شناخت اکثر و بیشتر مشکل ہوتی تھی۔

مانسون کے دوران ہمارے قدموں کے نیچے کالی مٹی اکثر بہت دلدلی ہو جاتی تھی اور اس پر راستہ چلنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ ہر جگہ پانی کے تالاب بن جاتے تھے۔ شمالی مشرقی مانسون کی بارش اچانک آ جاتی تھی۔ ان کے ساتھ بادلوں کی گرج ہوتی

تھی۔ پہلی زوردار بارش ہوتے ہی مینڈک اور ان کے بچے نظر آنے لگتے تھے۔ جب بھی کوئی پانی کے پاس سے گزرتا تھا تو ان کی ٹرٹر سے کان بجنے لگتے تھے۔

ایک رات میں سائیکل پر سوار ہو کر تاریک ترین افریقہ کے جنگل کے پاس جا پہنچا۔ ایسی حالت میں کھلی ہوئی چھتری کو توازن کرنا اور دوسرے ہاتھ سے سائیکل چلانا بہت مشکل کام تھا۔ بارش چاروں طرف سے میرے اوپر آ رہی تھی جس کے تیز جھونکے ہوتے تھے اور چھتری کے باوجود میں بھیگ رہا تھا۔ میرا چشمہ بھی پانی پڑنے سے دھندلا ہو رہا تھا اور مجھے بہت محتاط ہو کر سائیکل چلانی پڑ رہی تھی۔

تبھی مجھے مینڈکوں کے ٹرٹرانے کی آواز آئی۔ ان کی آوازوں میں بارش کی آواز اور ہوا چلنے کی آواز دب گئی تھی۔ راستہ چلتے ہوئے مختلف جگہوں پر آوازیں آ رہی تھیں۔ کہیں آوازیں ہلکی تھیں کہیں تیز۔ آوازوں کے انداز بھی مختلف تھے۔ جب تک میں افریقہ کی حدود سے باہر نہیں آیا، مجھے ہر جگہ کسی نہ کسی طرح کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ بارش کی وجہ سے مینڈکوں کی ٹرر سے کوئی خاص اکتاہٹ نہیں ہوئی۔

ایک شام طلبا کی ایک جماعت اس سڑک پر سائیکلوں پر جا رہی تھی وہ اپنے ہاسٹل کی طرف جا رہے تھے۔ اتنے میں انھیں کوئی چیز نظر آئی جو دھندلکے میں درخت کا تنا معلوم ہوئی لیکن جب وہ قریب پہنچے تو انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ راہ میں ایک لمبا مگرمچھ لیٹا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو معلوم تھا کہ کیمپس کے نزدیک دو مگرمچھ رہتے ہیں انھیں دیکھتے ہی بچے بہت پریشان ہو گئے۔ قریبی سیکورٹی گارڈ کے قریب پہنچ کر وہ اسے وہاں کھینچ لائے جیسا کہ انھیں توقع تھی۔ اندھیرے میں مگرمچھ نظر نہیں آیا۔

ان واقعات کے بیان سے مجھے مگرمچھ کی حفاظت مشکوک نظر آنے لگی۔ قسمت نے اس کا ساتھ دیا تھا لیکن اگر اس کی ہمت اسی طرح بڑھتی رہی اور وہ جھیل کو چھوڑ کر باہر آتا رہا تو اسے کوئی بھی ختم کر سکتا تھا۔ اب تک انسانوں کی زندگی کی حفاظت لیے ہر جگہ شور و غل ہوتے ہیں لیکن ان رینگنے والے جانوروں کی زندگی کی کسی کو پرواہ نہیں۔ بہرحال اس کے بعد کہیں اور سڑک پر مگرمچھ دکھائی نہیں دیے۔

'ویلش' کا دلدلی علاقہ

جب ہم نے اپنا بنیادی انجینئری تک کا نصاب پورا کر لیا تو ہماری روش تعلیم میں مختلف نصابات شامل ہو گئے۔ میں نے ایم اے کرنے کے لیے آئی آئی ٹی میں دوبارہ داخلہ لے لیا اور جوزف یو۔ ایس۔ اے چلے گئے تا کہ 'نیوہیمپ شائر (New Hempshire)' کی یونیورسٹی میں ماسٹرس پروگرام' میں داخلہ لیں۔ وینکٹیش بنگلور چلے گئے جہاں انھیں مختلف کام ملے۔ ہم تینوں کے بچھڑ جانے کا مطلب یہ تھا کہ ہم تینوں کے مختصر تفریحی

سفر جن پر ہم ساتھ جاتے تھے، ختم ہو گئے اب ہم میں سے ہر ایک اپنی ذات سے وابستہ تھا۔ وینکٹیش اکثر مدراس آتے تھے، ان کے لیے ان کا وطن تھا۔ تب ہم دونوں ساتھ ساتھ اپنی سیر پر جاتے تھے۔ ہم نے بہت سی چڑیوں کی نئی قسمیں دیکھیں اور بہت سی گتھیوں کو سلجھایا جس کے لیے ہم پریشان تھے لیکن جوزف کی کمی ہمیں ہر جگہ محسوس ہوتی رہی خاص طور سے شروع کے چند مہینوں میں اس کی یاد نے ہمیں بہت ستایا۔

اکثر اپنے سفر کے دوران ہم بے خیالی میں جوزف کی تلاش شروع کر دیتے تھے جو ہمیشہ اسی بات کو سوچتا رہتا تھا جو ہمارے خیال و گمان میں بھی نہ ہوتی تھی تب ہمیں چونک کر احساس ہوتا تھا کہ جوزف ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ بہر حال ہم اس سے خط و کتابت کرتے رہتے تھے اور جوزف کے خطوط کے ذریعے اور ان فوٹوؤں کے ذریعے جو وہ ہمیں بھیجتا رہتا تھا اس کی زندگی کی جھلک ہمیں ملتی رہتی تھی۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کے بارے میں علم رکھتے تھے اور رفتہ رفتہ جوزف کی کمی کم محسوس کی جانے لگی۔ میں ایک مختلف ہوسٹل میں چلا گیا اور آخر کار ایسا کمرہ مل گیا جس کے چاروں طرف بہت سے مناظر تھے۔ اس میں ایک بالا خانہ (بالکنی) تھا۔ جہاں احاطے کی دیوار کے پاس گھنے درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ چہار دیواری کے باہر دو گاؤں تارامنی اور ویلاچری تھے۔ اس کے بعد ایک کھلا ہوا علاقہ تھا جہاں بارش کے موسم میں پانی بھر جاتا تھا جہاں بہت کم لوگ جاتے تھے اور بالکل سنسان رہتا تھا۔

اپنی بالکنی سے میں مختلف درختوں کی شاخیں دیکھ سکتا تھا اور چڑیوں کی حرکات بھی دور سے دیکھتا رہتا تھا۔ دن کے وقت دوسرے جانور بھی نظر آتے تھے۔ چڑیوں کی حرکات و سکنات صبح کے وقت زیادہ ہوتی تھیں۔ صبح کی پہلی جھلک نظر آتے ہی چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں سنائی دینے لگتی تھیں۔

جب میں بالاخانے میں آتا تھا تو میرے سر کے اوپر رات کو گانے والے بگلے اپنی دن کی آرام گاہوں کی طرف بڑھتے نظر آتے تھے اور وہ چھوٹے چھوٹے جھنڈ ہمارے پاس سے گزرتے تھے۔ ان کی آوازوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے رات کے شکار کے بارے میں اپنے ساتھیوں کو بتا رہے ہوں کہ دن کے وقت تالاب میں بگلے Egrets رنگین (Cormorants) کھلی چونچ والے سارس اور دوسری چڑیاں پر ہلاتی ہوئی ان بگلوں سے مختلف سمت میں اڑتی نظر آتی تھیں جو ویلاچری گاؤں کے دوسری طرف جنگل میں چلی جاتی تھیں۔

(جاری...)

■

ماخذ: شہر میں ایک جنگل، **مصنف:** کمارن ست سیوم، **مترجم:** عباس آصف، **مصور:** بی جی ورما، **ناشران:** چلڈرن بک ٹرسٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

جنید عبدالقیوم شیخ

ڈاکٹر احمد حسن زویل: بابائے فیمٹو کیمسٹری

پیارے بچو! جب میچ میں امپائر صحیح فیصلہ نہیں کرسکتا تب وہ تھرڈ امپائر کی مدد لیتا ہے۔ تھرڈ امپائر بار بار یہ لمحہ سلوموشن میں دیکھتا ہے کیونکہ اصل رفتار پر آنکھ ٹھیک سے نہیں دیکھ پاتی۔ آج کل ایسے کیمرے موجود ہیں جو آرام سے ایک سیکنڈ کے سوویں (1/100) حصے یا ہزارویں (1/1000) حصے میں کیا ہوا ہے دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کھیل کی بجائے کیمیائی تعامل میں سالمے یا جوہر کی حرکات۔ سالمے یا جوہر نے کب کتنی حرارت خارج کی، سالمے یا جوہر نے کب کتنی حرارت جذب کی، کس طرح کیمیائی بانڈ بنتے اور کس طرح کیمیائی بانڈ ٹوٹتے ہیں، کیمیائی تعامل میں سالمے یا جوہر کس طرح عمل کرتے ہیں۔ اگر ہم ان تمام کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسا کیمرہ درکار ہوگا جو ایک سیکنڈ میں ایک کھرب سے زائد تصاویر لے سکے۔

کون جانتا تھا اتنا تیز ترین کیمرہ ایک مسلم سائنسداں ایجاد کرے گا۔ جی ہاں! ڈاکٹر احمد حسن زویل نے ایک ایسا تیز ترین کیمرہ ایجاد کیا جس کی مدد سے ایک سیکنڈ کے ایک ہزار کھرب حصے کی تصویر بھی لے سکتے ہیں۔ انہوں نے وقت کے پیمانے (فیمٹو سیکنڈ) اور سالماتی تبدیلی (کیمسٹری) کے درمیان باہمی ملاپ سے کیمسٹری کی ایک نئی شاخ، فیمٹو کیمسٹری نامزد

کی۔ فیمٹو کیمسٹری، طبعی کیمسٹری کی شاخ ہے جس میں کیمیائی عمل کا مطالعہ بہت کم پیمانۂ وقت تقریباً فیمٹو سیکنڈ (10^{-15} سیکنڈ یا 0.000 000 000 000 001 سیکنڈ) پر کیا جاتا ہے۔ آج دنیا انھیں بابائے فیمٹو کیمسٹری کہتی ہے۔

ڈاکٹر احمد حسن زویل مصر میں 26 جنوری 1945 کو پیدا ہوئے۔ اسکندریہ یونیورسٹی سے بی ایس سی اور ایم ایس سی کیا۔ امریکہ کی پنسلوانیا یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی۔ اور کیلیفورنیا یونیورسٹی، برکلے سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ 1976 میں امریکہ کی قومیت حاصل کی۔ انھوں نے دس سال تک کیلیفورنیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (Caltech)، پاساڈینا میں بطور ڈائریکٹر خدمات انجام دیں۔ پروفیسر احمد زویل نے اپنی تمام زندگی امریکہ میں صرف کی اور امریکی صدر براک اوبامہ کے مشیروں کی کونسل کے رکن بھی رہے۔ ان کو دنیا بھر سے 100 سے زائد بین الاقوامی انعامات ملے۔ جن میں نوبل پرائز اور شاہ فیصل بین الاقوامی انعامات شامل ہیں۔ 30 سے زائد اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں ملیں جن میں کیمبرج یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر احمد زویل کو 1999 میں کیمسٹری کا نوبل پرائز دیا گیا کیوں کہ انھوں نے فیمٹو کیمسٹری میں دنیا کا تیز ترین کیمرہ ایجاد کیا۔ وہ پہلے مسلمان ہیں جنھیں کیمیا (کیمسٹری) کا نوبل پرائز ملا۔

ڈاکٹر احمد حسن زویل 2 اگست 2016 کو امریکہ میں 70 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ یقین ہے کہ سائنسی طلبہ کے لیے ڈاکٹر احمد حسن زویل کی شخصیت مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔

■

Junaid A. Shaikh (Teacher)
S.S.A. Urdu High School &Jr. College
of Science Solapur - Maharashtra)

مصباح فاطمہ سوداگر

معلومات

(1) جو سوال ہم ہمیشہ سوچتے ہیں کہ مرغی پہلے یا انڈا۔ اس سوال کا جواب سائنس دانوں نے ڈھونڈھ نکالا ہے۔ انھوں نے پتہ لگایا ہے کہ سب سے پہلے مرغی آئی کیونکہ انڈے کا خول بنانے کے لیے لگنے والا Protein صرف مرغی سے ہی تیار ہوتا ہے۔

(2) DNA کی ساخت کی معلومات دینے والا انسان Rosalind Franklin ہے۔ بعد میں Watson & Crick اسے ساری دنیا کے سامنے لائے۔

(3) ناریل پانی کو بلڈ پلازما کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

(4) انسان کا دماغ ہر سال ایک گرام کم ہوتا ہے۔

(5) جب ہم کسی چیز کو چھوتے ہیں تو اس کا پیغام ہمارے دماغ تک 124mph کی رفتار سے پہنچتا ہے۔

(6) Chewing gun کھانے سے ایک گھنٹے میں گیارہ colories کم ہوتے ہیں۔

(7) ایک pond شہد تیار کرنے کے لیے شہد کی مکھی کو بیس لاکھ پھولوں پر جانا پڑتا ہے۔

■

Misbah Fatema Saudagar
Class XII Science, Tekripura, Qalandarya
Urdu High School and Junior College
Mangrul Pir, Distt Wahim (Maharashtra)

محمد زید بن محمد ذاکر شیخ

ماں کی عظمت

- ماں کی خوبصورتی اِس کی محبت ہے۔
- میری ماں دنیا کی سب سے خوبصورت پھول ہے۔
- مجھے پھول اور ماں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔
- ماں کی زندگی میں محبت اور مہربانی کا خمیر داخل کیا گیا ہے۔
- سب سے خوبصورت اور شیریں ماں کا پیار ہے۔
- اگر مجھ کو ماں سے چھین لیا جائے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔
- میں نے سب سے پہلے ماں کی آنکھوں میں محبت کا رنگ دیکھا ہے۔
- ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے۔
- ماں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک نعمت ہے۔
- بچے کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہے۔
- اچھی مائیں اچھی قوم کی معمار ہیں۔
- دنیا کی سب سے اچھی عورت ماں ہے۔
- دنیا کی ہر ماں عظیم ہوتی ہے۔
- ماں کا دل دنیا کا سب سے اچھا دل ہے۔
- ماں دنیا بھر کی مکمل ترین شخصیت ہے۔

■

Mohd Zaid bin Mohd Zakir Shaikh
Class: IV, Ali Public, Patur Road
Akola - 444001 (Maharashtra)

فردوس بی علاء الدین کھاٹک

ٹیچر کا ادب

ٹیچر بھی ماں باپ کے برابر ہیں۔ وہ ہم کو علم سکھاتے ہیں، بھلے برے کی تمیز سکھاتے ہیں، اچھی اچھی باتیں بتاتے ہیں۔ جو بچے ٹیچر کا ادب کرتے ہیں ان کو ٹیچر بھی دل سے چاہتے ہیں اور شوق سے پڑھاتے ہیں۔ ایسے بچے آگے چل کر بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں اور ان کا نام دنیا میں مشہور ہوتا ہے۔ تم نے ہارون رشید کا نام سنا ہوگا ایک بہت بڑے بادشاہ گزرے ہیں۔ لڑکپن میں ان کا شوق تھا کہ اپنے استاد (ٹیچر) کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے۔ جب ٹیچر وضو کرتے تھے تو وہ لپک کے لوٹا لے لیتے تھے اور ادب سے ٹیچر کے پاس کھڑے ہو کر پانی دیتے رہتے تھے۔

یہ بات بھی درست ہے کہ بڑا آدمی وہی ہوتا ہے جس کو لکھنے پڑھنے کا شوق ہوتا ہے جس کے دل میں تعلیم کی عزت ہوتی ہے اور جو تعلیم کی اہمیت سمجھتا ہے وہ اپنے ٹیچر کی بھی عزت کرتا ہے۔

■

Firdaus Bee Alauddin Khatak
Urdu Girls High School, Yaval
Jalgaon (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ہنسی کے غبارے

ایک بچہ اسکول رزلٹ کارڈ لے آیا اور سیدھا باپ کے پاس پہنچا اور خوشی سے بولا: ''ابو ابو! آپ بہت خوش قسمت ہیں۔''

باپ نے حیران ہو کر پوچھا ''وہ کیسے؟''

بچہ ''آپ کو میرے لیے نئی کتابیں نہیں خریدنا پڑیں گی، میں اسی کلاس میں رہ گیا ہوں۔''

ایک میاں بیوی کو ایک فلم کے ٹکٹ بذریعہ ڈاک ملے، بھیجنے والے کا نام اور پتہ درج نہیں تھا۔ شوہر کا دعویٰ تھا کہ یہ ٹکٹ یقیناً اس کے کسی دوست نے بھیجے ہیں جبکہ بیوی کا اصرار تھا کہ یہ اُس کی کسی سہیلی نے بھیجے ہیں۔ آخر کار فلم کا وقت ہونے پر وہ فلم دیکھنے چلے گئے۔

جب وہ فلم دیکھ کر لوٹے تو دیکھا کہ گھر کا سارا سامان غائب ہے اور ایک کاغذ پر لکھا تھا ''فلم دیکھنے کا بہت بہت شکریہ۔''

نوکری کا امیدوار (سیٹھ سے) ''جناب! میں غریب ہوں نہ میرے پاس کھانے کو روٹی ہے نہ رہنے کو مکان۔''

سیٹھ ''تو کیا ہوا بھائی! خیالی پلاؤ پکاؤ اور ہوائی قلعے میں رہو۔''

ایک فوجی آفیسر جوانوں کو مسلسل دوڑائے چلا جا رہا تھا جبکہ نوجوان مسلسل دوڑ کر بہت زیادہ تھک چکے تھے۔ اچانک آفیسر نے ان کو روک کر کہا ''میں آنکھیں بند کرتا ہوں تم میں سے جو مزید دوڑنا چاہے وہ ایک قدم آگے آ جائے۔''

ایک استاد کلاس میں سائنس کا سبق پڑھا رہا تھا۔ سبق مشکل تھا اور بچوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اچانک استاد نے کلاس سے پوچھا: ''اگر میں کہوں کہ اس وقت دن نہیں رات ہے تو آپ لوگ کیا کریں گے۔''

تمام بچے چہک کر بولے: ''جناب! ہم سو جائیں گے۔''

جج نے ایک چور سے پوچھا: ''تم اس کے گھر میں کیوں داخل ہوئے تھے؟''

چور: ''جناب! اس کے گھر کے دروازے پر خوش آمدید لکھا ہوا تھا۔''

آفرا محبوب سبحانی مکاندار

وقت کی قیمت

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی راجہ کے دربار میں ایک آدمی حاضر ہوا اور بڑی عاجزی سے التجا کرنے لگا۔

مہاراج! میں بہت غریب ہوں۔

مجھے کچھ سونے کے سکے دے دیجیے، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

راجہ: راجہ سن کر کچھ سوچنے لگا پھر

تم! کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟

آدمی: مہاراج! مجھے کوئی کام نہیں دیتا۔لوگ مجھے کاہل کہتے ہیں۔

راجہ: اچھا تم کل آنا ہمارے خزانے سے تم جتنے چاہو سونے کے سکے لے جانا لیکن خیال رکھنا سورج کے چھپتے ہی خزانہ بھی بند ہوجاتا ہے، اس لیے وقت پر ہی آجانا۔

آدمی: مہاراج! میں صبح ہی آجاؤں گا۔ وہ شخص بہت خوش ہوا۔ رات بھر خوشی میں اسے نیند نہیں آئی۔ صبح ہوتے ہی بغیر ناشتہ کیے ہی اپنے ساتھ ناشتہ لے کر روانہ ہوگیا۔

آدمی: آج تو میں بھی امیر بن جاؤں گا۔ اس طرح سوچتا ہوا دل میں خوش ہوتے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ راستے میں ایک گھنے سایہ دار پیڑ پر اس کی نظر پڑی۔ کیوں نہ اس پیڑ کے سائے میں بیٹھ کر روٹی کھالوں۔ یہاں پانی بھی

استوتی اگروال

شریر لڑکا...

زیب بچپن سے ہی بہت شریر تھا۔ اسکول کے سارے طالب علم اس کی شرارتوں سے پریشان تھے۔ اسکول کے ٹیچر بھی اسے بار بار سمجھاتے تھے، لیکن وہ اپنی شرارتوں سے کبھی باز نہیں آتا تھا۔ کبھی کسی کا بستہ چرا لیتا کبھی کسی سے بلا وجہ لڑنے لگتا۔ سارے بچے اس سے بات کرنے میں گھبراتے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے۔ اس کے ماں باپ نے بھی بہت سمجھایا اور کلاس ٹیچر نے الگ سے اسے کمرے میں لے جا کر اپنے بیٹے کی طرح سمجھایا کہ بیٹا! اس میں کوئی شک نہیں کہ شرارت ہر بچے میں فطری طور پر ہوتی ہے، لیکن جب شرارت حد سے زیادہ بڑھ جائے تو گناہ کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ میں تمھیں آخری بار سمجھا رہا ہوں اب اگر کوئی شکایت آئی تو میں اسکول سے نہ صرف تمھارا نام کاٹ دوں گا بلکہ تم کسی بھی اسکول میں امتحان دینے کے قابل نہیں رہو گے۔ زیب آٹھویں جماعت (Eighth class) کا طالب علم تھا اس کے ماں باپ اس کے لیے کیا کیا سپنے دیکھتے تھے وہ اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے، لیکن اس کی شرارتوں سے نہ صرف اسکول کے طالب علم اور ٹیچر بلکہ اس کے ماں باپ بھی فکرمند رہنے لگے تھے کہ پتہ نہیں کون سی ایسی شرارت کر بیٹھے جس سے اس کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے۔

سالانہ امتحان سر پر آ گئے تھے سب بچے دن رات پڑھائی میں مصروف تھے لیکن زیب جو کہ ایک سال تک اتنا

ہے۔ کچھ دیر آرام بھی کر لوں گا۔ روٹی کھاتے ہی اسے نیند آ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دوپہر ہو چکی تھی۔ شاید میں زیادہ دیر تک سوتا رہا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ شام ہونے میں ابھی کافی وقت ہے۔ یہ سوچ کر وہ پھر چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد راستے میں اسے میلہ لگا ہوا ملا۔ کیوں نہ کچھ دیر میلہ دیکھ لیا جائے؟ ابھی تو کافی وقت ہے۔ کچھ دیر بعد خزانہ پر پہنچ جاؤں گا۔

کافی دیر تک میلہ میں گھومتا رہا اور میلے کا لطف لیتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب سورج ڈوبنے والا ہے تو اسے راجہ کی ہدایت یاد آ گئی۔ سوچنے لگا۔ اُف! کافی دیر ہو گئی مجھے اب جلدی چلنا چاہیے ورنہ سورج کے چھپتے ہی خزانہ بند ہو جائے گا۔ وہ تیزی سے دوڑ پڑا اور وہ جب تک خزانہ کے پاس پہنچا تب تک سورج غریب ہو چکا تھا۔

سپاہی: سورج ڈوب گیا ہے۔ خزانہ بند ہو چکا ہے۔

سپاہی نے اسے اندر جانے سے روک دیا۔

سپاہی: تم نے دیر کر کے امیر بننے کا ایک عمدہ موقع کھو دیا ہے۔

آدمی: یہ سن کر وہ شخص بہت پچھتایا اور ہاتھ ملتا ہوا خالی ہاتھ گھر لوٹ گیا۔ گھر پر اسے بڑا پچھتاوا ہو رہا تھا۔ کاش میں نے وقت کی قیمت پہچانی ہوتی۔ اس نے عہد کیا کہ اب زندگی میں آئندہ کبھی سستی نہیں کرے گا اور ہمیشہ وقت کی قدر کرے گا۔ وقت بھی دولت ہے۔ اسے یوں ہی نہیں گنوانا چاہیے۔

■

Afra Mahboob Subhani Makandar
Class: XI, Sarkara Urdu Madarsa No 2
Bel Hongle, Karnataka

وقت شرارتوں میں گزار چکا تھا اور امتحان قریب آنے کی وجہ سے چاروں طرف سے اس پر ڈانٹ پڑ رہی تھی اور اس کے دل کو چھلنی کر رہی تھی جس کی وجہ سے اس نے فیصلہ کر لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں امتحان میں پاس ہو کر ہی دکھاؤں گا۔

حالانکہ کسی بھی معاملے میں (Short-cut) نہیں ہے قطرہ قطرہ ہی دریا بنتا ہے، لیکن آدمی سوچ لے اور خدا پر پختہ یقین ہو تو منزل اس کے قدم چومتی ہے۔ زیب دن رات ایسا پڑھائی میں مصروف ہوا کہ لوگ اس کی صورت دیکھنے کے لیے ترس گئے۔ اس نے دو مہینے میں اتنی محنت کی کہ پورا سال جو اس نے وقت ضائع (Waste) کیا تھا وہ سارا سبق اچھی طرح پڑھ لیا۔ اس نے خدا پر یقین اور خود پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے امتحانات دیے اور جب ایک مہینے بعد امتحان کا (Result) آیا تو زیب پورے مدھیہ پردیش کے تمام طالب علموں سے زیادہ نمبر لے کر آیا اور ٹاپ کر گیا اور حکومت کی طرف سے اسے

انعام سے نوازہ گیا۔ آج جب Minister کے ہاتھوں اسے انعام دیا جانے لگا تو اس کے تمام ٹیچر اور ماں باپ فخر سے کہنے لگے کہ زیب تو بڑا شریر نکلا شرارت ہو تو ایسی ہو....

■

Stuti Agrawal
C/o Agrawal Jewellers
Sironj - 464228 (Madhya Pradesh)

ننھے فنکار

سدرہ تحسین زاہد ندیم، درجہ سینئر کے جی، سردار اسکول، مالیگاؤں مہاراشٹر

تحریم ناز کلیم احمد، درجہ پنجم، مولانا آزاد اردو گرلس ہائی اسکول، مولوی گنج، دھولیہ، مہاراشٹر

عظمیٰ ناز، امین اللہ منیار، اردو ہائی اسکول، بادشاہ نگر، نندوربار، مہاراشٹر

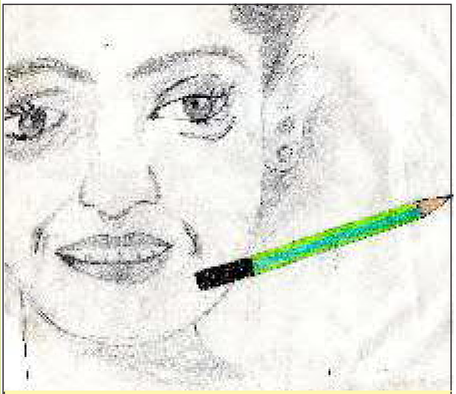

ساحل عقیل کھاٹک، درجہ نہم
مدرسہ عائشہ اردو ہائی اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

عادل آصف کھاٹک، درجہ ششم
شیخ امام پرائمری اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

آصف احمد مختار احمد، درجہ ششم، اردو پرائمری اسکول نمبر 16، میونسپل اسکول، مہاراشٹر

نشا کماری ستھار سیواڑی، ٹیگور سکھل، سیواڑی پالی راجستھان

امِ ہانی انیس شیخ، نگوتھنا، ضلع رائے گڑھ، مہاراشٹر

حبیبہ خاتون بنت نثار احمد، کلاس ہائر سیکنڈری کلاس، مانک پیر، کانی کارہ، ویسٹ بنگال

مومن محمد عاطف جلیس احمد، درجہ اوّل
اے آر ایم پری پرائمری اسکول، مالیگاؤں، مہاراشٹر

شاہینہ صدیقی، درجہ نہم، شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہار

الفیہ مہک زین العابدین، محمد اردو ہائی اسکول، مرزا پورہ، بلگاؤں، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

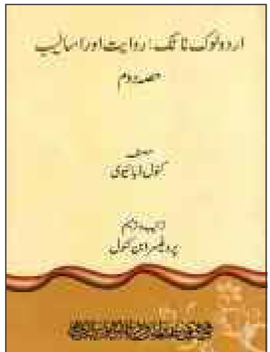

صفحات:482، قیمت: 162 روپے

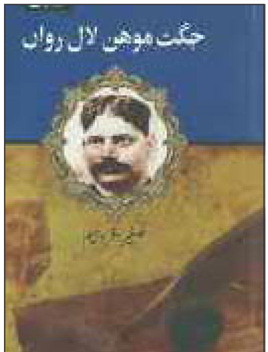

صفحات:146، قیمت: 86 روپے

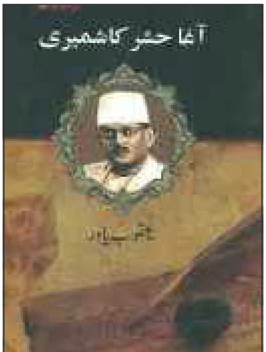

صفحت:132، قیمت: 81 روپے

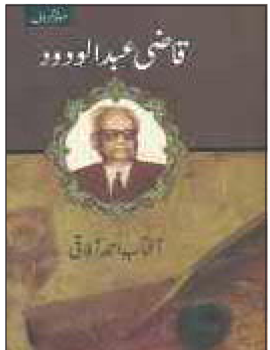

صفحات:130، قیمت:80 روپے

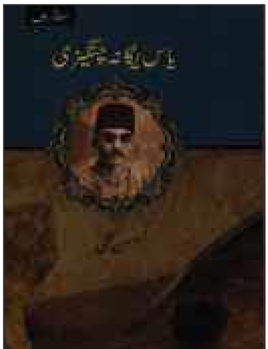

صفحت:149، قیمت:90 روپے

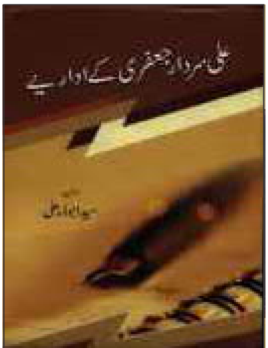

صفحت:165، قیمت:90 روپے

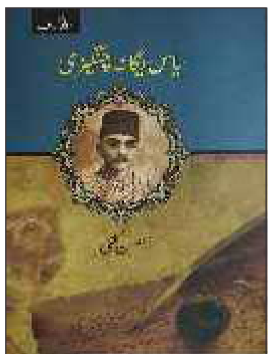

صفحات:149، قیمت:90 روپے

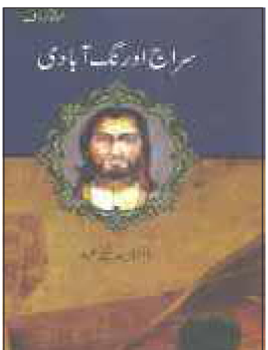

صفحات:129، قیمت:78 روپے

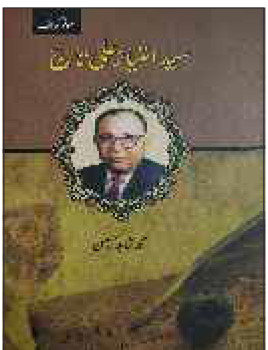

صفحت:136، قیمت: 90روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, February 2019, Vol. 07, Issue: 02
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/01/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات:112، قیمت 25روپے

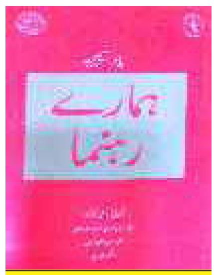

صفحات:106، قیمت :35 روپے

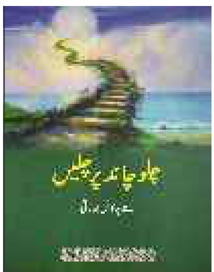

صفحات:48، قیمت:16 روپے

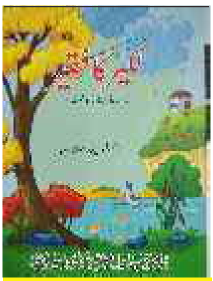

صفحات :82، قیمت:35 روپے

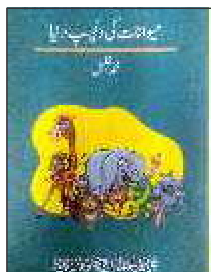

صفحات:83، قیمت:24 روپے

صفحات:61، قیمت:20 روپے

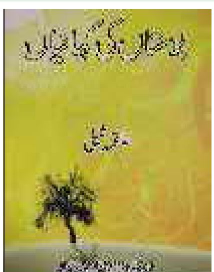

صفحات:87، قیمت:20 روپے

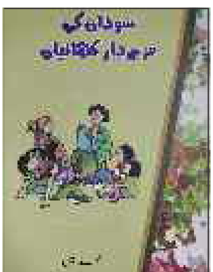

صفحات:61، قیمت:20 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.